جلد 11 شمارہ 3 جنوری 2009، محرم 1430ھ

ماہنامہ

بیاد **خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ**

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : میاں علی رضا

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد
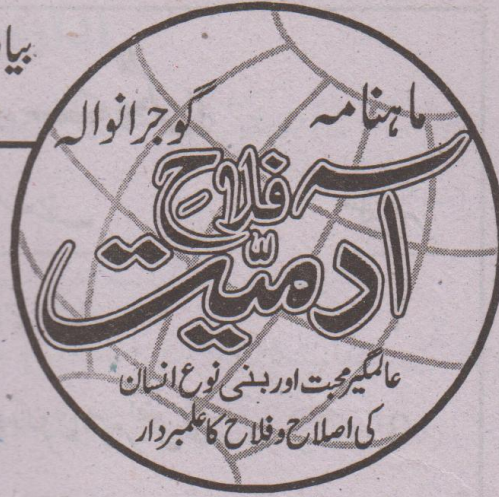
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-3003304

رابطہ مدیر : 0321-6400942

فیکس نمبر : +92-55-3736841

ای میل : info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

اداریہ

ماہنامہ ''فلاح آدمیت'' کی نئی انتظامیہ کیطرف سے اپنے تمام قارئین کو

السلام علیکم!

عرصہ دراز کے تعطل کے بعد اداریے کا یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے تا کہ تمام قارئین سے رابطے کا براہ راست سلسلہ جوڑا جا سکے۔ ماہنامہ فلاح آدمیت کے اجراء کا مقصد ''سلسلہ عالیہ توحیدیہ'' کی تعلیم کی ترویج و اشاعت ہے، جو کہ خالص توحید، عالمگیر محبت اور صداقت کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے، کما حقہ پورا نہیں ہو پا رہا۔ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سلسلہ کے تمام بھائیوں کو نہ صرف روحانی طور پر انتہائی بلندیوں پر دیکھنا چاہتے تھے بلکہ آپ اُن میں تنظیمی طور پر بھی اعلیٰ پائے کا نظم وضبط پیدا کرنا چاہتے تھے تا کہ یہ حلقہ ایک منظم اجتماعیت کی صورت میں اُبھرے اور آپ عمر بھر بھائیوں میں یہ خصوصیات پیدا کرنے کیلئے مساعی کرتے رہے۔ اس لئے سلسلہ کے تمام بھائیوں پر عموماً اور خادمان حلقہ پر خصوصاً یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ''ماہنامے'' کی ترقی کیلئے ہر ممکن تعاون کریں۔

☆ جس میں سرفہرست ایک لکھاری کی حیثیت سے آپکی کی شرکت ہے، ہر بھائی اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے اِسکا سہارا لے سکتا ہے اور اُسے لازمی لینا چاہیے کیونکہ یہ انکا اپنا مجلّہ ہے اور مرکز بھائیوں کے لئے ہی ہر ماہ اِسے شائع کرتا ہے۔ بابا جان قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے بھی بارہا فرمایا ہے کہ کم از کم خادمان حلقہ ہی باباجی انصاریؒ صاحب کی تعلیمات کے حوالے سے کچھ نہ کچھ ضرور تحریر کیا کریں اور اگر یہ نہیں تو بابا جان کی تحریر کردہ کتب میں سے ہی قابل ذکر اور مختلف موضوعات کو چن کر بھیج دیا کریں۔

اِس بات کو خاطر میں نہ لائیں کہ آپ ایک عالم فاضل نہیں تو آپ لکھ نہیں سکتے بلکہ اسکو اپنی تربیت کا ایک حصہ تصور کرتے ہوئے کہیں سے بھی آغاز کر دیں۔ اگر نیت میں خلوص ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں ضرور برکت عطا فرماتے ہیں چاہے ظاہری اسباب کتنے کم ہی کیوں نہ ہوں۔

☆ دوسری بات یہ کہ ہر بھائی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں تک اپنی بات پہنچائے اور اسکے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرے۔ جس میں سب سے آسان طریقہ اس ماہنامہ کا قاری بنانا ہے۔ آپ جسکو بھی حلقہ کی تعلیم سے متعارف کروانا چاہتے ہیں اُسکو اپنے خادم حلقہ کے توسط سے چھ ماہ کیلئے اعزازی ممبر بنوا سکتے ہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ 200 روپے دیکر اُسے ایک سال کی ممبر شپ دلوائیں۔

یہ دو کام کر کے نہ صرف اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گے بلکہ حلقہ توحیدیہ اور ماہنامہ ''فلاح آدمیت'' کی ترقی وترویج میں بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

والسلام

دُعاؤں کا طالب

مدیر

''ماہنامہ فلاح آدمیت''

درس قرآن

﴿ تحریر: ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک ؒ ﴾

ایفائے عہد کا حکم اور آخرت کا اجر

اس کے بعد اللہ کے عہد کو پورا کرنے کے بارے میں مزید تاکید ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ولا تشتروا بعهد الله ثمنا قليلا۔ انما عند الله هو خيرلكم ان كنتم تعلمون○ما عندكم ينفدو ما عند الله باق۔ ولنجزين الذين صبروا اجرهم باحسن ما كانوا يعملون ○ من عمل صالحا من ذكر اواُنثى وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ماكانوا يعملون○

''اللہ کے عہد کو تھوڑے سے فائدے کیلئے نہ بیچ ڈالو۔اگر تم جانو تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو اُن کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیں گے جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیں گے''۔ (النحل :95-97)

شیطان کا طریقہ واردات اور اس کا علاج:

اس کے بعد ایک حکم دیا گیا کہ جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے پناہ مانگ لیا کرو۔ وہ اس لئے کہ قرآنِ مجید شیطان پر سب سے بھاری چیز ہے۔شیطان کی اصل چال یہ ہے کہ انسان قرآن ہی نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو اسے سمجھنے ہی نہ پائے اور کچھ سمجھ میں آ جائے تو پھر اس پر عمل نہ کرنے پائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فاذا قرات القران فاستعذ باللّٰہ من الشيطن الرجيم o انه ليس له سلطن علی الذين امنوا وعلی ربهم يتوكلون o انما سلطنه علی الذين يتولونه والذين هم به مشركون o

''پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اسے ان لوگوں پر تسلط نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں، اس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں''۔(النحل:98-100)

جو لوگ شیطان کو اپنا سرپرست بنا کر غفلت و جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں مستغرق رہتے ہیں، ان کی اس بے حسی کے باعث ان کیلئے بارگاہِ ایزدی سے یوں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔

ذلك بانهم استحبوا الحيوة الدنيا علی الاخرة وان اللّٰہ لا يهدی القوم الكفرين o اُولئك الذين طبع اللّٰہ علی قلوبهم وسمعهم وابصارهم واُولئك هم الغفلون o (النحل 107-109)

''یہ محض اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا، اس لئے اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ان کی اس قباحت کے سبب) ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے لوگ ہیں''۔

اللہ کی شانِ مغفرت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

ان غافل لوگوں کے مقابل بیدار مغز اور ہدایت یافتہ لوگ ہیں جن کی صفائی، باطنی پاکیزگی اور اعمالِ خیر کا یوں ذکر ہے۔

ثم ان ربك للذين هاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاهدوا و صبروا اِن ربك من بعدها لغفور رحيم o

''البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بناء پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو یقیناً توبہ اور اصلاح کے بعد آپ کا رب ان کیلئے بڑا غفور و رحیم ہے''۔(النحل :110)

ایک بہت بڑی غلط فہمی جو ہمارے ہاں عام طور پر پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم

ہے اور وہ ہر حال میں ہمیں بخش دے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ عرض خدمت ہے۔ میں کچھ عرصے پہلے لندن میں تھا، وہاں کچھ عرب دوستوں کو شراب پیتے دیکھا۔ میں نے اِن سے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو؟ وہ بولے ہاں! میں نے پوچھا: پھر یہ کیا ہے؟ بولے کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا: ہاں پڑھا ہے۔ کہنے لگے کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ رحیم اور بخشنے والا ہے۔

میں نے کہا کہ تم کو ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ دُنیا اور ہماری ساری زندگی دو قسم کے قوانین سے چل رہی ہے۔ ایک طبعی قوانین (Physical Laws) اور دوسرے اخلاقی قوانین (MoralLaws) اور یہ دونوں قسم کے قوانین اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں اور اس نے ان پر عمل کیلئے موقع بھی فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ واقعی غفورُ رحیم ہے۔ قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے۔ لیکن ہم اخلاقی قانون توڑتے ہیں، شراب پیتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں، کسی کا حق چھینتے ہیں تو کیا وہ بخش دے گا اور اپنی رحمت سے معاف کر دے گا؟ بولے ہاں۔ میں نے کہا کہ جیسے اس نے اخلاقی قانون بنائے ہیں، اِسی طرح اس نے طبعی قوانین بھی بنائے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہی کہ جب ہم اخلاقی قوانین توڑتے ہیں تو وہ غفورُ رحیم بن جاتا ہے اور جب طبعی قوانین توڑتے ہوں تو وہ غفورُ رحیم نہیں رہتا۔ آپ کسی بھی طبعی قانون (Physical Law) کو توڑ کر اس کا انجام دیکھیں۔ مثال کے طور پر ہم تیسری منزل پر بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طبعی قانون (Physical Law) کششِ ثقل ہے کہ اگر ہم اوپر سے نیچے چھلانگ لگائیں گے تو ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ تو آیئے کہ اس طبعی قانون کو توڑتے ہیں اور نیچے چھلانگ لگا دیتے ہیں اور یا غفورُ رحیم کا وظیفہ بھی کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے وہ غفورُ رحیم تمہیں بخش دے گا، تمہاری ہڈی نہیں توڑے گا؟

کہنے لگے ہڈی تو ضرور ٹوٹے گی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور مثال دی کہ ہم زہر کا پورا گلاس پی لیتے ہیں اور یا غفورُ رحیم کا ورد کرتے جاتے ہیں۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اس طبعی قانون کو توڑتے ہوئے اس کی شانِ غفورُ رحیمی جوش میں نہیں آئے گی کہ اِدھر ہم زہر پئیں اُدھر وہ ہمیں بخشنا شروع کر دے اور ہمیں کوئی نقصان نہ ہو؟ کہنے لگے ایسا تو نہیں ہوگا۔ میں نے پوچھا

کہ اس کی وجہ بتاؤ کہ جب تم طبعی قانون توڑتے ہو تو وہ غفورُ رحیم نہیں رہتا اور جب اخلاقی قانون توڑتے ہو تو وہ غفورُ رحیم بن جاتا ہے۔ کیا اس کی کوئی وجہ یا کوئی منطق ہے۔ کہنے لگا اچھا، پھر تم ہی بتا دو۔

میں نے کہا کہ اچھا تو اب میں آپ کو قرآنِ مجید پڑھ کر سناتا ہوں اور میں نے یہی آیت پڑھی جو ابھی گزر چکی ہی اسی طرح ایک اور اور آیت ہے:۔

وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحاً ثم اھتدیo

''اور رجوع کر لے اور ایمان لے آئے اور اچھے کام کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے تو میں اس کو بخش دوں گا''۔

تو اب یہ چار شرطیں پوری کرو گے تو وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی، ورنہ شیطان کا دھوکا! اللہ تعالیٰ **منتقم** بھی ہے۔ **عزیز ذوانتقام** بھی۔ اگر وہ انتقام لینے پر آ جائے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی اور نہیں ہوتا۔ یہ چار شرطیں کیا ہیں؟ توبہ، ایمان، عمل صالح اور ہدایت پر عملاً چل پڑنا۔ ان شرطوں کو پورا کرتے ہی اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت ظہور میں آ جاتی ہے۔

رزقِ حلال

اس کی بعد اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراخی اور آسائش کے اسباب کی فراوانی کے بعد کی حالت کا ذکر فرمایا کہ ایسے میں انسان خود فریبی کا شکار ہو کر کفرانِ نعمت پر اُتر آتا ہے اور اس کو حلال و حرام کا امتیاز ہی نہیں رہتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حللاً طیبا واشکروا نعمت اللہ ان کنتم اِیاہ تعبدونo

''پس اللہ نے جو تم کو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے، اسے کھاؤ اور اگر تم اسی کے عبادت گزار ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو''۔ (النحل۔116)

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خوراک کے انسانی اخلاق و کردار پر اثرات مرتب ہوتے

ہیں۔ اِسی لئے قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اور تعلیمات نبویؐ میں ان گنت مرتبہ رزق حلال کی طلب اور حلال اشیاء کے کھانے پینے کا حکم ہے۔

احکام حلال وحرام میں من پسندی کی سزا

اِس حکم کے ساتھ ہی دوسری آیت میں حرام اشیاء کا ذکر ہے اور حکم دیا کہ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق اشیاء کی حلت و حرمت کے متعلق رائے قائم نہ کیا کرو کیونکہ بنی اسرائیل میں سے یہود نے حرام اور حلال کیلئے ازخود معیار قائم کیا تو ہم نے ان کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا مگر ان میں سے جو لوگ تائب ہو گئے یا جنہوں نے آئندہ ادوار میں برائی سرزد ہو جانے کے بعد توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ کیا۔

حکمت و دعوت میٹھے انداز میں

اس سورہ کے آخر میں دین کی تبلیغ کے سلسلے میں قرآنِ مجید کی وہ آیات ہیں جو ہر ایک کو زبانی یاد ہونا چاہئیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اُدع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین o وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به۔ ولئن صبرتم لهو خیر للصبرینo واصبر وما صبرك الا بالله ولا تحزن علیهم ولا تك فی ضیق مما یمکرون o اِن اللّٰه مع الذین اتقوا والذین هم محسنونo

''اے نبی ﷺ! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے ایسے طریق پر گفتگو اور مباحثہ کرو جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی یاد سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن تم اگر صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمد ﷺ! صبر سے کام کئے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی

حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چالبازیوں پر تمہارا دل تنگ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں''۔ (النحل:125-128)

یہاں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں سب سے پہلے تو حکمت، دانائی اور دانشمندی ہے اور دوسرے میٹھی اور عمدہ نصیحت ہے۔ اس انداز میں نہیں کہ سننے والے کو گراں گزرے بلکہ بہت پیارے انداز میں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

''اس کے ساتھ ذرا نرم لہجے میں بات کرنا۔(میٹھی اور پیاری نصیحت کے انداز میں)''۔

انسان کو گفتگو اس انداز میں کرنا چاہئے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کو ''جدالِ احسن'' کہتے ہیں۔

دعوت وحکمت کی کچھ حسین مثالیں

قرآنِ مجید سے کچھ مثالیں پیشِ خدمت ہیں جس سے آپکو معلوم ہو سکے گا کہ انبیاء کا طریقہ گفتگو کیا تھا؟ لوگ کس لہجے میں بات کرتے اور انبیاء علیہم السلام جواباً کیا لہجہ اختیار کرتے تھے۔ یہ بات ہمارے مبلغین کو معلوم ہو جائے کہ گفتگو کے دوران میں دوسرے پر چھا جانا کوئی خوبی کی بات نہیں۔ بعض دفعہ پیچھے ہٹ جانا اور دب جانا بھی خوبی بن جاتا ہے۔

1۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت عطا کرتا ہے تو جواباً سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جب نمرود نے کہا کہ میں زندہ بھی کر سکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں تو ابراہیم علیہ السلام پیچھے ہٹ گئے اور پھر ایک نئی بات لے کر آئے جسکا نمرود جواب نہ دے سکا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ، میرا رب سورج مشرق سے طلوع کرتا ہے، تم خدا ہو، سورج پہ تمہیں اختیار تو ہوگا، اس لئے آج اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھادو۔ انہوں نے یہ بات نہیں فرمائی کہ تمہیں اختیار نہیں اور تم مغرب سے طلوع نہیں کر سکتے ہو۔ بلکہ بڑا حسین انداز اختیار کیا۔

2۔ سیدنا نوح علیہ السلام طویل عرصے تک قوم کو راہِ ہدایت کی طرف بلاتے رہے۔

اس پر قوم نے انہیں کہا کہ "ہم تو تمہیں کھلی ہوئی گمراہی میں پاتے ہیں"۔
اب اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو کہتا کہ اچھا کافر تو تم ہو، بتوں کی پوجا تم کرتے ہو، شرک تو تم ہو، شراب، زنا اور تمام دیگر برائیاں تمہارے اندر ہیں اور گمراہ مجھے کہتے ہو۔ لیکن نبی نے ان کے گندے اعمال کی طرف اشارہ نہیں کیا، ان کو الزامی جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ "اے میری قوم! مجھے کوئی گمراہی اپنے اندر نظر نہیں آ رہی"۔ میں تمہیں مختلف اس لئے نظر آتا ہوں کہ میں ربُّ العالمین کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم میرے مقام کو نہیں سمجھتے۔ میری رسالت گمراہی نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا منصب ہے۔

3۔ حضرت ہود علیہ السلام سے ان کی قوم نے یوں کہا: "اے ہود! ہم دیکھتے ہیں کہ تم بیوقوفی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہو اور تم جھوٹوں میں سے ہو"۔
ذرا غور فرمایئے! کہ اس قوم نے ایک نبی کو احمق اور جھوٹا قرار دے دیا (نعوذ باللہ) تو کیا اب جوابی کاروائی کے طور پر وہ نبی اپنی قوم کو ان کی گندگیوں، گناہوں اور معصیتوں کا آئینہ دکھا دیتا کہ دیکھو تم کیا ہو؟ لیکن نبی نے صرف اپنی ذات کا دفاع کیا اور وہ بھی بڑے خوبصورت انداز میں صرف یہ الفاظ ادا کئے۔

قال یقوم لیس بی سفاھة ولکنی رسول من رب العالمینo
"اے میری قوم! مجھ میں کوئی بیوقوفی اور حماقت کی بات نہیں۔ میں اصل میں ربُّ العالمین کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔
تمہاری گفتگو اور ہمارے انداز ہائے فکر میں بہت فرق ہے۔ اس لئے میری شخصیت، منصب اور تعلیم تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ یہ بیوقوفی نہیں بلکہ رسالت اور نبوت ہے۔
مذکورہ مثالوں سے حکمت و موعظت کا خوبصورت انداز بخوبی واضح ہو گیا ہے۔ کاش! ہم اسلام کے مدعی اس حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شہادت امام حسینؓ

﴿مولانا مودودیؒ﴾

مقصدِ شہادت

ہر سال محرم میں کروڑوں مسلمان شیعہ بھی اور سنی بھی، امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ ان غمگساروں میں سے بہت ہی کم لوگ اس مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں جس کیلئے امامؓ نے نہ صرف اپنی جانِ عزیز قربان کی بلکہ اپنے کنبے کے بچوں تک کو کٹوا دیا۔کسی شخص کی مظلومانہ شہادت پر اس کے اہل خاندان کا اور اس خاندان سے محبت وعقیدت یا ہمدردی رکھنے والوں کا اظہارِ غم کرنا تو ایک فطری بات ہے۔ایسا رنج وغم دنیا کے ہر خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔اس کی کوئی اخلاقی قدر و قیمت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس شخص کی ذات کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی اور خاندان کے ہمدردوں کی محبت کا ایک فطری نتیجہ ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ امام حسینؓ کی وہ کیا خصوصیت ہے جسکی وجہ سے 1400 سال گزر جانے پر بھی ہر سال ان کا غم تازہ ہوتا رہے؟اگر یہ شہادت کسی عظیم مقصد کیلئے نہ تھی تو محض ذاتی محبت وتعلق کی بناء پر صدیوں اس کا غم جاری رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور خود امام کی اپنی نگاہ میں اس ذاتی وشخصی محبت کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟انہیں اگر اپنی ذات اُس مقصد سے زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اُسے قربان ہی کیوں کرتے ؟اُن کی یہ قربانی تو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس مقصد کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔لہٰذا اگر ہم اس مقصد کیلئے کچھ نہ کریں بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں تو محض ان کی ذات کیلئے گریہ وزاری کرکے اوران کے قاتلوں پر لعن طعن کرکے قیامت کے روز نہ تو ہم امام ہی سے کسی داد کی اُمید رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان کا خدا اس کی کوئی قدر کرے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد کیا تھا؟ کیا امام تخت وتاج کیلئے اپنے کسی ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے اور اس کیلئے انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگائی ؟ کوئی شخص بھی جو امام حسینؓ کے گھرانے کی بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے، یہ بدگمانی نہیں کرسکتا کہ یہ لوگ اپنی ذات کیلئے اقتدار حاصل

کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خوں ریزی کر سکتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے اُن لوگوں کا نظریہ ہی صحیح مان لیا جائے جن کی رائے میں یہ خاندان حکومت پر اپنے ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتا تھا، تب بھی حضرت ابو بکرؓ سے لیکر امیر معاویہؓ تک پچاس برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہی کہ حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑنا اور کشت وخون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امام عالی کی نگاہیں اس وقت مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی روح اور اس کے مزاج اور اس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے آثار دیکھ رہی تھیں جسے روکنے کی جدوجہد کرنا ان کے نزدیک ضروری تھا۔ حتیٰ کہ اس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آ جائے تو نہ صرف جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔

ریاست کے مزاج، مقصد اور دستور کی تبدیلی

وہ تغیر کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل لیا تھا۔ حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسولؐ اور قرآن کو اسی طرح مان رہے تھے جس طرح پہلے مانتے تھے۔ مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ عدالتوں میں قرآن اور سنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے جس طرح اُن کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں سے کسی کے دور میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ بعض لوگ یزید کے شخصی کردار کو بہت نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں جس سے یہ عام غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ تغیر جسے روکنے کیلئے امام کھڑے ہوئے تھے، بس یہ تھا کہ ایک برا آدمی برسر اقتدار آ گیا تھا۔ لیکن یزید کی سیرت وشخصیت کا جو بُرے سے بُرا تصور پیش کرنا ممکن ہے اُسے جوں کا توں مان لینے کے بعد بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اگر نظام صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو محض ایک بُرے آدمی کا برسر اقتدار آ جانا کوئی ایسی بڑی بات ہو سکتی ہے، جس پر امام حسینؓ جیسا دانا وزیرک اور علم شریعت میں گہری نظر رکھنے والا شخص بے صبر ہو جائے۔ اس لئے یہ شخصی معاملہ بھی وہ اصل تغیر نہیں ہے جس نے امام کو بے چین کیا تھا۔ تاریخ کے غائر مطالعہ سے جو چیز واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل

جس خرابی کی ابتدا ہورہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی۔ اس تبدیلی کے پورے نتائج اگرچہ اُس وقت سامنے نہ آئے تھے لیکن ایک صاحبِ نظر آدمی گاڑی کا رُخ تبدیل ہوتے ہی یہ جان سکتا تھا کہ اب اس کا راستہ بدل رہا ہے اور جس راہ پر یہ مُڑ رہی ہے وہ آخر کار اسے کہاں لے جائے گا۔ یہی رُخ کی تبدیلی تھی جسے امام نے دیکھا اور گاڑی کو پھر سے صحیح پٹڑی پر ڈالنے کیلئے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا۔

نقطۂ انحراف

اس چیز کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کیلئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کی سربراہی میں ریاست کا جو نظام چالیس سال تک چلتا رہا تھا، اُس کے دستور کی بنیادی خصوصیات کیا تھیں اور یزید کی ولی عہدی سے مسلمانوں میں جس دوسرے نظامِ ریاست کا آغاز ہوا اس کے اندر کیا خصوصیات دولتِ بنی امیہ و بنی عباس اور بعد کے بادشاہوں میں ظاہر ہوئیں۔ اِسی تقابل سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ یہ گاڑی پہلے کس لائن پر چل رہی تھی اور اس نقطۂ انحراف پر پہنچ کر آ گے وہ کس لائن پر چل پڑی اور اسی تقابل سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور جس نے صحابہؓ کی بہترین سوسائٹی میں بچپن سے بڑھاپے تک کی منزلیں طے کی تھیں، وہ کیوں اس نقطۂ انحراف کے سامنے آتے ہی گاڑی کو اس نئی لائن پر جانے سے روکنے کیلئے کھڑا ہو گیا اور کیوں اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی کہ اس زوردار گاڑی کا رُخ موڑنے کیلئے اس کے آگے کھڑے ہو جانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

انسانی بادشاہی کا آغاز

اسلامی ریاست کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف زبان ہی سے یہ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ سچے دل سے یہ مانا بھی جاتا تھا اور عملی رویہ سے اس عقیدہ و یقین کا پورا ثبوت دیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا ہے۔ باشندے خدا کی رعیت ہیں اور حکومت اس رعیت کے معاملے میں خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ حکومت اس رعیت کی مالک نہیں اور رعیت اس کی غلام نہیں ہے حکمرانوں کا کام سب سے پہلے اپنی گردن میں خدا کی بندگی و غلامی کا قلاوہ ڈالنا ہے۔ پھر یہ ان کی ذمہ داری

ہے کہ خدا کی رعیت پر اس کا قانون نافذ کریں۔ لیکن یزید کی ولی عہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہوا، اُس میں خدا کی بادشاہی کا تصور صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا۔ عملاً اس نے وہی نظریہ اختیار کرلیا جو ہمیشہ سے ہر انسانی بادشاہی کا رہا ہے۔ یعنی ملک بادشاہ اور شاہی خاندان کا ہے اور وہ رعیت کی جان، مال، آبرو، ہر چیز کا مالک ہے۔ خدا کا قانون ان بادشاہتوں میں نافذ ہوا بھی تو عوام پر ہوا۔ بادشاہ ان کے خاندان اور امراء اور حکام زیادہ تر اِس سے مستثنیٰ ہی رہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعطل

اِسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمین میں اُن نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا تھا جو خدا کو محبوب ہیں اور ان برائیوں کو دبانا اور مٹانا تھا جو خدا کو ناپسند ہیں۔ مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر خلائق اور تحصیل باج وخراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہ رہا۔ خدا کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت بادشاہوں نے کم ہی کبھی انجام دی۔ ان کے ہاتھوں اور ان کے امراء اور حکام اور درباریوں کے ہاتھوں بھلائیاں کم اور برائیاں بہت زیادہ پھیلیں۔ بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کی روک تھام اور اشاعت دین اور علوم اسلامی کی تحقیق و تدوین کیلئے جن اللہ کے بندوں نے کام کیا، انہیں حکومتوں سے مدد ملنی تو درکنار اکثر وہ حکمرانوں کے غضب ہی میں گرفتار رہے اور اپنا کام وہ ان کی مزاحمتوں کے علی الرغم ہی کرتے رہے۔ اُن کی کوششوں کے برعکس حکومتوں اور ان کے حکام ومتوسلین کی زندگیوں اور پالیسیوں کے اثرات مسلم معاشرے کو پیہم اخلاقی زوال ہی کی طرف لے جاتے رہے۔ حد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا جس کی بدترین مثال بنواُمیہ کی حکومت میں نومسلموں پر جزیہ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اسلامی ریاست کی روح تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیز گاری کی روح تھی جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ حکومت کے عمال اور قاضی اور سپہ سالار، سب اس روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اِسی روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے۔ لیکن بادشاہی کی

راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ کے سے رنگ ڈھنگ اور ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لئے۔ عدل کی جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ پرہیزگاری کی جگہ فسق و فجور اور راگ رنگ اور عیش و عشرت کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ حرام و حلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیرت و کردار خالی ہوتی چلی گئی۔ سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹتا چلا گیا۔ خدا سے خود ڈرنے کے بجائے حاکم لوگ بندگانِ خدا کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے اور لوگوں کے ایمان و ضمیر بیدار کرنے کے بجائے اُن کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

اِسلامی دستور کے بنیادی اصول

یہ تو تھا روح و مزاج اور مقصد اور نظریئے کا تغیر۔ ایسا ہی تغیر اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں میں بھی رونما ہوا۔ اِس دستور کے سات اہم ترین اصول تھے۔ جن میں سے ہر ایک کو بدل ڈالا گیا۔

1۔ آزادانہ انتخاب

اسلامی دستور کا سنگِ بنیاد یہ تھا کہ حکومت لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہو۔ کوئی شخص اپنی کوشش سے اقتدار حاصل نہ کرے بلکہ لوگ اپنے مشورے سے بہترین آدمی کو چن کر اقتدار اس کے سپرد کریں۔ بیعت کسی اقتدار کا نتیجہ نہ ہو بلکہ اس کا سبب ہو۔ لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں۔ جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسرِ اقتدار نہ آئے اور جب لوگوں کا اعتماد اس پر سے اُٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے۔ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اِسی قاعدے کے مطابق برسرِ اقتدار آیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے معاملے میں پوزیشن مشتبہ ہو گئی۔ اِسی لئے صحابی ہونے کی باوجود اُن کا شمار خلفائے راشدینؓ میں نہیں کیا گیا۔ لیکن آخر کار یزید کی ولی عہدی وہ انقلابی کارروائی ثابت ہوئی جس نے اس قاعدے کو اُلٹ کر رکھ دیا۔ اِس سے خاندانوں کی موروثی بادشاہتوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کے بعد سے آج تک پھر مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنا نصیب نہ ہو سکا۔ اب لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور کھلے مشورے سے نہیں بلکہ طاقت سے برسرِ اقتدار آنے لگے۔ اب بیعت کرنے یا نہ

کرنے میں لوگ آزاد نہ رہے اور بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر قائم رہنے کیلئے شرط نہ رہی۔ لوگوں کی اول تو یہ مجال نہ تھی کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار تھا، اُس کی بیعت نہ کرتے لیکن اگر وہ بیعت نہ بھی کرتے تو جس کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تھا، وہ ہٹنے والا نہ تھا۔ اِسی جبری بیعت کو کالعدم قرار دینے کا قصور جب منصور عباسی کے زمانہ میں امام مالکؒ سے سرزد ہوا تو ان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے اور اُن کے ہاتھ شانوں سے اکھڑوا دیئے گئے۔

2۔ شورائی نظام

دوسرا اہم ترین قاعدہ اس دستور کا یہ تھا کہ حکومت مشورے سے کی جائے اور مشورہ اُن لوگوں سے کیا جائے جن کے علم، تقویٰ اور اصابت رائے پر عام لوگوں کو اعتماد ہو۔ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں جو لوگ شوریٰ کے رکن بنائے گئے، اگر چہ اُن کو انتخاب عام کے ذریعہ سے منتخب نہیں کرایا گیا تھا۔ جدید زمانے کے تصور کے لحاظ سے وہ نامزد کردہ لوگ ہی تھے لیکن خلفاء نے یہ دیکھ کر اُن کو مشیر نہیں بنایا تھا کہ یہ ہماری ہاں میں ہاں ملانے، اور ہمارے مفاد کی خدمت کرنے کیلئے موزوں ترین لوگ ہیں۔ بلکہ اُنھوں نے پورے خلوص اور بے غرضی کے ساتھ قوم کے بہترین عناصر کو چنا تھا جن سے وہ حق گوئی کے سوا کسی چیز کی توقع نہ رکھتے تھے۔ جن سے یہ امید تھی کہ وہ ہر معاملے میں اپنے علم و ضمیر کے مطابق بالکل صحیح ایماندارانہ رائے دیں گے۔ جن سے کوئی شخص بھی یہ اندیشہ نہ رکھتا تھا کہ وہ حکومت کو کسی غلط راہ پر جانے دیں گے۔ اگر اُس وقت ملک میں آج کل کے طریقے کے مطابق انتخابات بھی ہوتے تو عام مسلمان انہی لوگوں کو اپنے اعتماد کا مستحق قرار دیتے۔ لیکن شاہی دور کا آغاز ہوتے ہی شوریٰ کا یہ طریقہ بدل گیا۔ اب بادشاہ استبداد اور مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ اب شاہزادے اور خوشامدی اہل دربار اور صوبوں کے گورنر اور فوجوں کے سپہ سالاران کی کونسل کے ممبر تھے۔ اب وہ لوگ اُن کے مشیر تھے جن کے معاملہ میں اگر قوم کی رائے لی جاتی تو اعتماد کے ایک ووٹ کے مقابلہ میں لعنت کے ہزار ووٹ آتے اور اس کے برعکس وہ حق پرست و حق گو اہل علم و تقویٰ جن پر قوم کو اعتماد تھا، وہ بادشاہوں کی نگاہ میں کسی اعتماد کے مستحق نہ تھے بلکہ اُلٹے معتوب یا کم از کم مشتبہ تھے۔

3۔ اظہار رائے کی آزادی

اس دستور کا تیسرا اصول یہ تھا کہ لوگوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی ہو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام نے ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا۔ اسلامی معاشرے اور ریاست کے صحیح راستہ پر چلنے کا انحصار اس بات پر تھا کہ لوگوں کے ضمیر اور ان کی زبانیں آزاد ہوں وہ ہر غلط کام پر بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں۔ خلافت راشدہ میں صرف یہی نہیں کہ لوگوں کا یہ حق پوری طرح محفوظ تھا بلکہ خلفائے راشدینؓ اسے ان کا فرض سمجھتے تھے اور اس فرض کے ادا کرنے میں ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ ان کی مجلس شوریٰ کے ممبروں ہی کو نہیں، قوم کے ہر شخص کو بولنے اور ٹوکنے اور خود خلیفہ سے باز پُرس کرنے کی مکمل آزادی تھی جس کے استعمال پر لوگ ڈانٹ اور دھمکی سے نہیں بلکہ داد اور تعریف سے نوازے جاتے تھے۔ یہ آزادی اُن کی طرف سے کوئی عطیہ اور بخشش نہ تھی جس کیلئے وہ قوم پر اپنا احسان جتاتے بلکہ یہ اسلام کا عطا کردہ ایک دستوری حق تھا جس کا احترام کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسے بھلائی کیلئے استعمال کرنا ہر مسلمان پر خدا اور رسولؐ کا عائد کردہ ایک فریضہ تھا جس کی ادائیگی کیلئے معاشرے اور ریاست کی فضا کو ہر وقت سازگار رکھنا ان کی نگاہ میں فرائض خلافت کا ایک اہم جز تھا۔ لیکن بادشاہی کا آغاز ہوتے ہی ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور منہ بند کر دیئے گئے۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ زبان کھولو تو تعریف میں کھولو ورنہ چپ رہو اور اگر تمہارا ضمیر ایسا زورآور ہے کہ حق گوئی سے تم باز نہیں رہ سکتے تو قید یا قتل کیلئے تیار ہو جاؤ۔ یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت، بُزدل اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مُول لے کر سچی بات کہنے والے ان کے اندر کم سے کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور چاپلوسی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار اور آزاد خیال لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے اور عوام کا حال یہ ہو گیا کہ کسی شاہی خاندان کی حکومت برقرار رکھنے کیلئے ان کے دلوں میں کوئی جذبہ باقی نہ رہا۔ ایک کو ہٹانے کیلئے جب دوسرا آیا تو انہوں نے مدافعت میں انگلی تک نہ

ہلائی اور گرنے والا جب گرا تو انہوں نے ایک لات اور رسید کر کے اسے زیادہ گہرے گڑھے میں پھینکا۔ حکومتیں جاتی اور آتی رہیں مگر لوگوں نے تماشائی سے بڑھ کر اس آمد و رفت کے منظر سے کوئی دلچسپی نہ لی۔

4۔ خدا اور خلق کے سامنے جواب دہی

چوتھا اصول جو اس تیسرے اصول کے ساتھ لازمی تعلق رکھتا تھا، یہ تھا کہ خلیفہ اور اس کی حکومت خدا اور خلق دونوں کے سامنے جوابدہ ہے۔ جہاں تک خدا کے سامنے جوابدہی کا تعلق ہے اس کے شدید احساس سے خلفائے راشدینؓ پر دن کا چین اور رات کو آرام حرام ہو گیا تھا اور جہاں تک خلق کے سامنے جواب دہی کا تعلق ہے، وہ ہر وقت، ہر جگہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے۔ ان کی حکومت کا یہ اصول نہ تھا کہ صرف مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں نوٹس دے کر ہی اُن سے سوال کیا جاتا ہے، وہ ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی جماعت میں اپنے عوام کا سامنا کرتے تھے۔ وہ ہر ہفتے جمعہ کی جماعت میں عوام کے سامنے اپنی کہتے اور ان کی سنتے تھے وہ شب و روز بازاروں میں کسی باڈی گارڈ کے بغیر، کسی ہٹو بچو کی آواز کے بغیر عوام کے درمیان چلتے پھرتے تھے۔ ان کے گورنمنٹ ہاؤس (یعنی ان کے کچے مکان) کا دروازہ ہر شخص کیلئے کھلا تھا اور ہر ایک ان سے مل سکتا تھا۔ ان سب مواقع پر ہر شخص ان سے سوال کر سکتا تھا اور جواب طلب کر سکتا تھا۔ یہ محدود جواب دہی نہ تھی بلکہ کھلی اور ہمہ وقتی جواب دہی تھی۔ یہ نمائندوں کے واسطہ سے نہ تھی بلکہ پوری قوم کے سامنے براہِ راست تھی۔ وہ عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آئے تھے اور عوام کی مرضی انہیں ہٹا کر دوسرا خلیفہ ہر وقت لا سکتی تھی۔ اس لئے نہ تو انہیں عوام کا سامنا کرنے میں کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا اور نہ اقتدار سے محروم ہونا ان کی نگاہ میں کوئی خطرہ تھا کہ وہ اس سے بچنے کی کبھی فکر کرتے۔ لیکن بادشاہی دور کے آتے ہی جوابدہ حکومت کا تصور ختم ہو گیا۔ خدا کے سامنے جوابدہی کا خیال چاہے زبانوں پر رہ گیا ہو، مگر عمل میں اس کے آثار کم ہی نظر آتے ہیں رہی خلق کے سامنے جوابدہی، تو کون مائی کا لال تھا جو ان سے جواب طلب کر سکتا۔ وہ اپنی قوم کے فاتح تھے۔

مفتوحوں کے سامنے کون فاتح جواب دہ ہوتا ہے۔وہ طاقت سے برسراقتدار آئے تھے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ جس میں طاقت ہو، وہ ہم سے اقتدار چھین لے۔ایسے لوگ عوام کا سامنا کب کیا کرتے ہیں اور عوام ان کے قریب کہاں پھٹک سکتے تھے۔وہ نماز بھی پڑھتے تھے تو تھوخیرے کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے محلوں کی محفوظ مسجدوں میں یا پہرا اپنے نہایت قابل اعتماد محافظوں کے جھرمٹ میں۔ان کی سواریاں نکلتی تھیں تو آگے اور پیچھے مسلح دستے ہوتے تھے اور راستے صاف کردیئے جاتے تھے۔عوام کی اور ان کی مڈبھیڑ کسی جگہ ہوتی ہی نہ تھی۔

5۔ بیت المال۔ایک امانت

پانچواں اصول اسلامی دستور کا یہ تھا کہ بیت المال خدا کا مال اور مسلمانوں کی امانت ہے۔ جس میں کوئی چیز حق کی راہ کے سوا کسی دوسری راہ سے آنی نہ چاہیے اور جس میں کوئی چیز حق کے سوا کسی دوسری راہ میں جانی نہ چاہیے۔خلیفہ کا حق اس مال میں اتنا ہی ہے جتنا قرآن کی رو سے یتیم کے مال میں اس کے ولی کا ہوتا ہے۔کہ **من کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف**۔(جو اپنے ذاتی ذرائع آمدنی اپنی ضرورت بھر رکھتا ہو وہ اس مال سے تنخواہ لیتے ہوئے شرم کرے،اور جو واقعی حاجت مند ہو وہ اتنی تنخواہ لے جسے ہر معقول آدمی مبنی بر انصاف مانے)۔خلیفہ اس کی ایک ایک پائی کے آمد وخرچ پر حساب کا ذمہ دار ہے اور مسلمانوں کو اس سے حساب مانگنے کا پورا حق ہے۔خلفائے راشدین نے اس اصول کو بھی کمال درجہ دیانت اور حق شناسی کے ساتھ برت کر دکھایا۔ان کے خزانے میں جو کچھ بھی آتا تھا،ٹھیک ٹھیک اسلامی قانون کے مطابق آتا تھا۔اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہوتا تھا بالکل جائز راستوں میں ہوتا تھا۔ ان میں سے جو غنی تھا اس نے ایک حبہ اپنی ذات کیلئے تنخواہ کے طور پر وصول کئے بغیر مفت خدمت انجام دی بلکہ اپنی گرہ سے قوم کیلئے خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کیا اور جو تنخواہ کے بغیر ہمہ وقتی خدمت گار نہ بن سکتے تھے،انہوں نے اپنی ضروریات زندگی کیلئے اتنی کم تنخواہ لی کہ ہر معقول آدمی اسے انصاف سے کم ہی مانے گا،زیادہ کہنے کی جرأت ان کا دشمن بھی نہیں کرسکتا۔پھر اس خزانے

کی آمد و خرچ کا حساب ہر وقت ہر شخص مانگ سکتا تھا اور وہ ہر وقت ہر شخص کے سامنے حساب دینے کیلئے تیار رہتے ۔ ان سے ایک عام آدمی بھرے مجمع میں پوچھ سکتا تھا کہ خزانے میں یمن سے جو چادریں آئی ہیں ان کا طول وعرض تو اتنا نہ تھا کہ جناب کا یہ لمبا کُرتہ بن سکے ۔ یہ زائد کپڑا آپ کہاں سے لائے ہیں؟ مگر جب خلافت بادشاہی میں تبدیل ہوئی تو خزانہ خدا اور مسلمانوں کا نہیں بلکہ بادشاہ کا مال تھا۔ ہر جائز و ناجائز راستے سے اس میں دولت آتی تھی اور ہر جائز و ناجائز راستے میں بے غل وغش صرف ہوتی تھی ۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے حساب کا سوال اٹھا سکے ۔ سارا ملک ایک خوانِ یغما تھا جس پر ایک ہرکارے سے لے کر سربراہِ مملکت تک ،حکومت کے سارے کل پرزے حسب توفیق ہاتھ مار رہے تھے اور ذہنوں سے یہ تصور ہی نکل گیا تھا کہ اقتدار کوئی پروانہ اباحت نہیں ہے ،جس کی بدولت یہ لوٹ مار اُن کیلئے حلال ہو اور پبلک کا مال کوئی شیر مادر نہیں ہے جسے وہ ہضم کرتے رہیں اور کسی کے سامنے انہیں اس کا حساب دینا نہ ہو۔

6۔ قانون کی حکومت

چھٹا اصول اس دستور کا یہ تھا کہ ملک میں قانون (یعنی خدا اور رسولؐ کے قانون) کی حکومت ہونی چاہیئے ۔ کسی کو قانون سے بالاتر نہ ہونا چاہیئے ۔ کسی کو قانون کے حدود سے باہر جا کر کام کرنے کا حق نہ ہونا چاہیے۔ ایک ایک عامی سے لے کر سربراہِ مملکت تک سب کیلئے ایک ہی قانون ہونا چاہیئے اور سب پر اسے بے لاگ طریقے سے نافذ ہونا چاہیئے ۔ انصاف کے معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ ہونا چاہیئے اور عدالتوں کو انصاف کرنے کیلئے ہر دباؤ سے بالکل آزاد ہونا چاہیئے ۔ خلفائے راشدین نے اس اصول کی پیروی کا بھی بہترین نمونہ پیش کیا تھا۔ بادشاہوں سے بڑھ کر اقتدار رکھنے کے باوجود وہ قانون الٰہی کی بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے ۔ نہ ان کی دوستی اور رشتہ داری قانون کی حد سے نکل کر کسی کو بھی کچھ نفع پہنچا سکتی تھی ۔ کوئی ان کے حق پر بھی دست درازی کرتا تو وہ ایک عام آدمی کی طرح عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے اور کسی کو ان کے خلاف شکایت ہوتی تو وہ استغاثہ کر کے انہیں عدالت میں کھینچ لا سکتا تھا۔ اسی طرح

انھوں نے اپنی حکومت کے گورنروں اور سپہ سالاروں کو بھی قانون کی گرفت میں کس کر رکھا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ عدالت کے کام میں کسی قاضی پر اثر انداز ہونے کا خیال بھی کرتا۔ کسی کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ قانون کی حد سے قدم باہر نکال کر مواخذہ سے بچ جاتا۔ لیکن خلافت سے بادشاہی کی طرف انتقال واقع ہوتے ہی اس قاعدے کے بھی چیتھڑے اُڑ گئے۔ اب بادشاہ اور شاہزادے اور امراء اور حکام اور سپہ سالار ہی نہیں، شاہی محلات کے منہ چڑھے لونڈی غلام تک قانون سے بالاتر ہو گئے۔ لوگوں کی گردنیں اور پیٹھیں اور مال اور آبروئیں سب ان کیلئے مباح ہو گئیں۔ انصاف کے دو معیار بن گئے۔ ایک کمزور کے لئے اور دوسرا طاقت ور کیلئے۔ مقدمات میں عدالتوں پر دباؤ ڈالے جانے لگے اور بے لاگ انصاف کرنے والے قاضیوں کی شامت آنے لگی۔ حتیٰ کہ خدا ترس فقہاء نے عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کی بجائے کوڑے کھانا اور قید ہو جانا زیادہ قابل ترجیح سمجھا تاکہ وہ ظلم و جور کے آلہ کار بن کر خدا کے عذاب کے مستحق نہ بنیں۔

7۔ حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات

مسلمانوں میں حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات، اسلامی دستور کا ساتواں اصول تھا جسے ابتدائی اسلامی ریاست میں پوری قوت کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے درمیان نسل، وطن، زبان وغیرہ کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ قبیلے اور خاندان اور حسب و نسب کے لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ تھی۔ خدا اور رسولؐ کے ماننے والے سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے اور سب کی حیثیت برابر تھی۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح اگر تھی تو سیرت و اخلاق اور اہلیت و صلاحیت اور خدمات کے لحاظ سے تھی۔ لیکن خلافت کی جگہ جب بادشاہی نظام آیا تو عصبیت کے شیاطین ہر گوشے سے سر اٹھانے لگے۔ شاہی خاندان اور ان کے حامی خانوادوں کا مرتبہ سب سے بلند و برتر ہو گیا۔ ان کے قبیلوں کو دوسرے قبیلوں پر ترجیحی حقوق حاصل ہو گئے۔ عربی اور عجمی کے تعصبات جاگ اُٹھے اور خود عربوں میں قبیلے اور قبیلے کے درمیان کش مکش پیدا ہو گئی۔ ملت اسلامیہ کو اس چیز نے جو نقصان پہنچایا اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔

امام حسینؓ کا مومنانہ کردار

یہ تھے وہ تغیرات جو اسلامی خلافت کو خاندانی بادشاہت میں تبدیل کرنے سے رونما ہوئے۔ کوئی شخص اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ یزید کی ولی عہدی ان تغیرات کا نقطۂ آغاز تھی اور اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ اس نقطے سے چل کر تھوڑی مدت کے اندر ہی بادشاہی نظام میں وہ سب خرابیاں نمایاں ہو گئیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ جس وقت یہ انقلابی قدم اٹھایا گیا تھا اُس وقت اس کی خرابیاں اگرچہ بتمام و کمال سامنے نہ آئی تھیں مگر ہر صاحبِ بصیرت آدمی جان سکتا تھا کہ اس اقدام کے لازمی نتائج یہی کچھ ہیں اور اس سے ان اصلاحات پر پانی پھر جانے والا ہے جو اسلام نے سیاست و ریاست کے نظام میں کی ہیں۔ اسی لئے امام حسینؓ اس پر صبر نہ کر سکے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو بدتر سے بدتر نتائج بھی انہیں ایک مضبوط جمی جمائی حکومت کے خلاف اُٹھنے سے بھگتنے پڑیں، ان کا خطرہ مول لے کر بھی انہیں اس انقلاب کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ مگر امام نے اس عظیم خطرے میں کود کر اور مردانہ وار اس کے نتائج کو انگیز کر کے جو بات ثابت کی وہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات اُمت مسلمہ کا وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں جسے بچانے کیلئے ایک مومن اپنا سر بھی دے دے اور اپنے بال بچوں کو بھی کٹوا بیٹھے تو اس مقصد کے مقابلے میں کوئی مہنگا سودا نہیں ہے اور ان خصوصیات کے مقابلے میں وہ دوسرے تغیرات جنہیں اوپر نمبروار گنایا گیا ہے، دین وملت کیلئے وہ آفتِ عظمیٰ ہیں جسے روکنے کیلئے ایک مومن کو اگر اپنا سب کچھ قربان کر دینا پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ کسی کا جی چاہے تو اسے حقارت کے ساتھ ایک سیاسی کام کہہ لے مگر حسینؓ ابن علیؓ کی نگاہ میں تو یہ سراسر ایک دینی کام تھا۔ اسی لئے انہوں نے اس کام میں جان دینے کو شہادت سمجھ کر جان دی۔ (ماخذ: ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی 1960ء)

قند مکرر

اغیار کی دوستی اور قرآن

﴾ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی ﴿

اس وقت دنیا میں کروڑوں کتابیں موجود ہیں لیکن کسی مصنف نے اپنی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کے مندرجات ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ یہ اعجاز اور اعزاز صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ شکوک وشبہات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ ازلی، ابدی اور اٹل حقائق پر مشتمل ہے۔ اہل ایمان اس عظیم کتاب کا ایک معجزاتی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں دی ہوئی ہر پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی اور ماضی و مستقبل کی جکڑ بندیوں سے وراء الوراء ہے۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ابھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں فرمائی تھی اور کفار کی طرف سے اہل ایمان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اسی دوران میں دنیا کی دو عظیم طاقتوں روم اور ایران میں جنگ جاری تھی۔ بت پرست مشرکین مکہ کی ہمدردیاں آتش پرست ایرانیوں کے ساتھ تھیں اور مسلمان اپنی فطرت کے مطابق اس وقت بھی اہل کتاب رومیوں کے غلبہ کے خواہاں تھے۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے رومیوں کو بہت بری طرح شکست دے دی تو کفار مکہ بہت خوش ہوئے اور اسے اپنی فتح اور مسلمانوں کی شکست پر محمول کیا۔ انہی ایام میں قرآن کریم میں سورت الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل روم اس مغلوبیت کے چند روز بعد ہی ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ اس وقت رومیوں کو اس انداز سے شکست ہوئی تھی کہ مادی نکتۂ نظر سے ان کی دوبارہ فتحیابی ناممکن دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اہل ایمان اپنے رب کے قول کو اٹل جانتے ہوئے اس پیشگوئی پر خوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایقان کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے قریش کے ایک ممتاز سردار ابی بن خلف سے شرط لگائی کہ اگر تین سال کے دوران

رومی غالب نہ آئے تو میں دس اونٹ دونگا اور اگر غالب آ گئے تو تم دس اونٹ مجھے دینا۔جب آنحضرت ﷺ کو اس شرط کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت میں ''بضع سنین'' آیا ہے اور اس کا اطلاق تین سے نو سال کی مدت تک ہوتا ہے لہٰذا تم اس شرط کی مدت نو سال تک مقرر کر کے اونٹوں کی تعداد بڑھا لو۔چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے ابی بن خلف سے نو سال کی مدت مقرر کر کے سو اونٹوں کی شرط لگائی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے عین مطابق قیصر روم نے اپنی شکست سے ٹھیک سات سال بعد ایرانی فوجوں کو شکست فاش دے دی۔اہل ایمان کو یہ خوشخبری اس وقت ملی جب اللہ کی نصرت سے وہ میدان بدر میں کفار کو شکست دے چکے تھے۔ اسطرح مسلمانوں کو دوہری خوشی نصیب ہوئی۔

جب تک اہل ایمان رب العالمین کے ارشادات اور حضور رحمتہ للعلمین ﷺ کے فرمودات کو حرز جاں بنا کر بنی نوع انسان کو ہر نوع غلامی سے نجات دلانے اور دنیوی واخروی نعمتوں سے مالا مال کر دینے والے،اللہ کی حاکمیت والے سچے دین کے علمبردار بن کر مجاہدانہ زندگی بسر کرتے رہے انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل رہی اور فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔جب امت مسلمہ کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وہ دنیوی لذات میں گرفتار ہو کر امت وسطی کے کردار کو فراموش کر بیٹھی تو اسے سزا کے طور پر اغیار کی غلامی میں مبتلا کر دیا گیا۔دوسری جنگ عظیم کے بعد اس ابتلا کا ایک دور ختم ہوا اور مسلمان ممالک کو سیاسی آزادی نصیب ہوئی لیکن ہم نے اس روش کو پوری طرح بدلنے کی کوشش نہیں کی جس کی پاداش میں اقوام عالم کی قیادت ہم سے سلب کر دی گئی تھی۔ہم نے اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قوت ونصرت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ کے دشمنوں اور اپنے سابق آقاؤں کو ہی اپنا سر پرست، دوست اور ہمدرد بنائے رکھنے کی کوتاہی کی اور اللہ کی طرف سے اس کی سزا ابھی بھگت رہے ہیں۔ قرآن کریم جو ہمارا آئین حیات ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خارجہ پالیسی کی بنیادیں بڑی وضاحت کے ساتھ متعین کر رکھی ہیں۔ہم یہاں متعلقہ آیات کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں تاکہ ان کی

روشنی میں اپنے قومی کردار کا جائزہ لے کر جادہ حق پر گامزن ہوسکیں۔

''جولوگ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں''۔(22:58)

''اے اہل ایمان ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے (یعنی یہود و نصاریٰ سے) دوستی نہ کرو۔یہ لوگ بھی آخرت کی زندگی سے اسی طرح ناامید ہوگئے ہیں جس طرح کافر قو میں مردوں کے جی اٹھنے سے ناامید ہیں''۔(13-60) ''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کفار کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤں۔ اور مومن ہو تو اللہ ہی سے ڈرو''۔(5:75)

''اے ایمان والو! اغیار کو اپنا رازدان نہ بنانا۔یہ لوگ تمہاری خرابی میں کسی طرح کی بھی کوتاہی نہیں کرتے اور ہر اس امر کی خواہش کرتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچے۔کچھ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور کچھ ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔ہم نے تمہارے لئے علامات واضح طور پر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو''۔(118:3)

''اے ہمارے رسول ﷺ آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہودی اور مشرکین ہیں''۔(82:5)

''اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔یہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے شمار ہوگا۔بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایات نہیں دیتا''۔(51:5)

''یہ خوف دلانے والا تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا''۔(175:3)

''تمہارے خیر خواہ اور دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز

قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اطاعت میں جھکے رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان سے دوستی کرے گا وہ گویا اللہ کے لشکر میں شامل ہو گیا اور اللہ کا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے''۔(5:55-56)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر واضح الفاظ میں یہود و ہنود و نصاریٰ کی نفسیات بیان کر کے ہمارے لئے ایک محفوظ حکمت عملی طے فرما دی۔ اس کے باوجود بھی اگر ہمارے حکام اللہ تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے علی الرغم ان اقوام کی دوستی کے وہم میں مبتلا ہو جائیں تو نتیجہ تو یقینی طور پر وہی نکلے گا جس کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے کر رکھی ہے۔ بار بار اغیار کے ہاتھوں نقصان اٹھانے کے باوجود ہمارے دانشور، صحافی اور سیاستدان ان چہیتوں کی دوستی کے دم بھرنے سے باز نہیں آتے۔ اور ساتھ ساتھ ان اصنام باطل کی بے وفائیوں کا شکوہ بھی کرتے رہتے ہیں تاکہ کسی طرح ان کی نظر التفات حاصل ہو جائے۔ ان کی فریب کاریوں کے باعث رنج پر رنج اٹھاتے چلے جا رہے ہیں پھر بھی ان کی دوستی کے جال سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

حالانکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح اللہ کے فرمان کی صداقت پر یقین رکھنے والا ہر سچا مسلمان اب بھی شرطیہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہود، ہنود اور عیسائی کبھی ہمارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ آزمانا تو اسے چاہئے جس کے بارے میں علم اور تجربہ نہ ہو۔ ہمیں تو ہمارے علیم و خبیر پروردگار نے ان کی خبث باطن سے بھی آگاہ فرما دیا ہے اس لئے ان اقوام کے ساتھ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے فرمودات کی روشنی میں ہی طے کرنے چاہئیں تاکہ ان کی شر سے اور اللہ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔ مسلمانوں سے ازلی بیر رکھنے والے ان گروہوں کے علاوہ دوسری غیر مسلم اقوام سے تعلقات رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی کے لئے ارشاد فرمایا۔

''جن لوگوں نے تم سے دین کے اختلاف کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تم کو تمہارے

گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کے سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں دوسروں کی پشت پناہی کی۔ جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں''۔ (8:6)

قرآن کریم کی ان آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور کائنات کے حکمران جسے پاکستان کے آئین کے مطابق مملکت خداداد پاکستان کا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا گیا ہے کہ ہدایات کے مطابق اس ملک کی تمام پالیسیاں مرتب کریں تاکہ اس کی تائید ونصرت کے حقدار ٹھہرائے جائیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب مصر میں اسلامی افواج کی فتوحات کی رفتار ذرا کم ہوگئی تو آپؓ نے مجاہدین کے کمانڈر حضرت عمروؓ بن عاص کو نہایت ہی پرمغز اور حقائق افروز خط لکھا کہ ''اپنی افواج کا جائزہ لو کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اس لئے فتوحات عطا کرتا ہے کہ ہمارا دشمن اس کا نافرمان ہے۔ اگر ہم بھی نافرمان ہوگئے تو اللہ ہمیں اپنی نصرت سے محروم کردیگا۔ پھر جنگ کے نتائج کا انحصار فوجوں کی نفری اور اسلحہ کی برتری پر ہوگا اور ہمارا دشمن دونوں لحاظ سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے'' اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اطاعت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور دوسری اقوام پر غلبہ صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ ہم من حیث القوم پوری طرح اللہ کے دین میں داخل ہو کر اس کے تابع فرمان بندے اور سچے مسلم بن جائیں۔ اگر ہمیں اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کی جستجو ہے تو ہمیں زندگی کے ہر شعبہ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے آئین کی بالادستی کو قبول کرنا ہوگی۔ جزوی اطاعت کرنے والوں کو قرآن کریم میں خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''کیا تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو۔ تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا

کی زندگی میں رسوائی ہواور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں۔اور جو کام تم کرتے ہواللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں''۔(85:2)

پاکستانی قوم نے ایٹمی دھماکہ کرکے اپنی زندگی اور بیداری کا ثبوت دیا ہے۔بلاشبہ موجودہ حالات میں یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کے لئے سب سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں جس کے فضل سے یہ کامیابی ممکن ہوئی اس کے بعد ہم اپنے عظیم سائنسدانوں کے تہہ دل سے ممنون ہیں جنہوں نے دن رات محنت کرکے نہ صرف پاکستانی قوم بلکہ پوری مسلم امہ کا سر افتخار سے بلند کردیا ہے۔اس سلسلے میں پاکستان کے مخلص اور غیور عوام کا بے مثال حوصلہ بھی قابل داد ہے جو اللہ کے نام اور اسلام کی عظمت کی خاطر ہر قسم کی قربانی خوشی کے ساتھ دینے کے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ہم وزیر اعظم پاکستان اور عسکری قائدین کی ایمانی قوت اور جرات کو بھی سلام کرتے ہیں جنہوں نے فقر غیور کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر بیرونی دباؤ اور لالچ کو مسترد کردیا اور قوم کو آقائے دو جہاں حضور رحمت اللعلمین ﷺ کی سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے اور خود انحصاری وسادگی کی زندگی بسر کرنے کی راہ دکھائی۔ہمیں اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں کے خلاف حملہ کرنے کی قوت وصلاحیت جمع کرنے کا جو حکم دے رکھا ہے یہ اس کے عطا کردہ مکمل نظام حیات کا ایک جزو ہے۔ہمارا حقیقی نصب العین یہ ہے کہ پہلے تو ہم خود اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور انسانیت کی فلاح وخدمت والے دین رحمت کو پوری طرح اپنا کر کرہ ارض کی مثالی قوم یعنی خیرالامت بن جائیں پھر پوری انسانیت کی دنیوی اور اخروی فلاح کی خاطر اللہ کے دین کے نور کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے امت وسطی کا کردار ادا کریں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو صرف اس کردار کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔

قند مکرر

دین اور مخلوق

﴿محمد مرتضیٰ توحیدی﴾

یہ تھے وہ انعام ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے۔ نیک عمل ایک دن کی بات نہیں دو دن کی بات نہیں بلکہ پوری زندگی کا سودا ہے۔ نیک عمل کرتے چلے جائیں اور آگے بڑھتے چلے جائیں اور اسی طرح زندگی کو اس کے اچھے انجام تک پہنچا دیں۔ ایک دائمی خوشی اور چین وسکون کی زندگی حاصل کرلیں۔ اور جو لوگ نیک عمل نہیں کریں گے وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ یہ دنیا ہی ان کے لئے بہت بڑی مثال ہے۔ کیا کوئی اس دنیا سے بھاگ سکتا ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ آخر اس دنیا میں آنا پڑے گا اور موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بغیر موت کے کسی بھی مخلوق کو اس دنیا سے جانے کا اجازت نامہ مل گیا نہیں ملا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت سے ہے اس لئے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

جب ہم اس دنیا سے بھاگ نہیں سکتے۔ موت سے بھی چھٹکارہ نہیں ہے۔ تو کیوں نہ صدق دل سے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اور اللہ کی خوشی کے لئے کام کرتے چلے جائیں اور دنیا میں فساد برپا نہ کریں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر دنیا میں جتنے مذاہب ہیں یا طریقہ زندگی ہے۔ ان کو نیک نیتی سے پرکھا جائے اور ان میں کوئی ایک مذہب یا طریقہ زندگی کو اپنایا جائے۔ اس میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جو صحیح بات ہے وہ سامنے آجانی چاہیے۔ اور روزانہ جتنے لوگ مرتے ہیں اور جتنے لوگ دنیا میں آتے ہیں سب کو دوزخ میں جانے اور غلط مذہب کو اپنانے سے روکا جائے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی کریم محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور قرآن آخری کتاب الٰہی ہے۔ جو آپ پر نازل ہوئی۔ اس میں کوئی شک اور کوئی شبہ نہیں ہے۔ بنیادی چیز میں

کوئی شک اور کوئی شبہ نہیں ہے۔قرآن صحیح ہے اور نبی ﷺ برحق ہیں تو کوئی اس سے جان نہیں چھڑ واسکتا۔کتاب اور نبی ﷺ تو اللہ نے ہمیں دے دیا۔

اب آپ کہاں جاسکتے ہیں کوئی عیسائی، کوئی یہودی، کوئی ہندو، کوئی پارسی، کوئی بے دین یا اور کوئی جو کوئی اور زندگی اور طرز زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔اپنی جان نہیں چھڑا سکتا۔اس کو جواب دینا ہوگا کہ آخری نبی ﷺ اور آخری کتاب پر کیوں ایمان نہیں لائے۔

کیا آپ کے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔جب سچ بات کو ہر ایک مذہب سچ جانتا ہے۔جھوٹ کو ہر مذہب جھوٹ ہی کہتا ہے۔پیار ومحبت کو ہر شخص اچھا جانتا ہے۔غصہ اور نفرت کو ہر مذہب برا کہتا ہے۔دنیا میں فساد کو ہر مذہب برا جانتا ہے۔قتل وغارت کو ہر مذہب برا کہتا ہے۔جاندار کی خدمت اور جان بچانے کو ہر مذہب اچھا جانتا ہے اب کونسی کسر باقی رہ گئی کہ سچے اور آخری نبی ﷺ کو اور اللہ کی آخری کتاب کو اسی حالت میں جیسے نازل ہوئی تھی کیوں نہیں مانا جاتا یا یوں کہیے کہ صدق دل سے اس پر ایمان کیوں نہیں لایا جاتا۔ راستے میں کیا رکاوٹ ہے۔اگر ہے تو انسان خود ہے۔اس کا دل صاف نہیں ہے۔اس کا ذہن صاف نہیں؟ اس کا نفس صاف نہیں ہے؟اس کی روح پاک نہیں ہے،اس کے خیالات اور احساسات آزاد نہیں ہیں۔اگر آزاد نہیں ہیں تو یہ صحیح فیصلہ کیسے کر سکے گا۔اس کو صحیح دین کی پہچان کے لئے اپنی تمام کمزوریوں کو دور کرنا پڑے گا۔آزاد ہونا پڑے گا۔نبی پاک ﷺ نے کسی پر کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ دین کی حقانیت کو ہر انسان کے سامنے رکھا اور لوگوں کو دین کی روشنی سے ان کے تمام اوصاف کو منور کیا، روشن کیا۔اور اس کی مثال صحابہ کرام کی زندگی سے لیکر اب تک بے شمار لوگوں نے اس تعلیم کی روشنی سے اپنے روح وجگر کو منور کیا اور دوسروں کے لئے باعث رحمت بنے۔دنیا کے لئے سکون بنے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے بنے۔انسانوں کو برابری کا درس دیا۔درجاتی جاہ وجلال کو ختم کیا اور ہر انسان کو برابری کا سبق دے کر ایک دوسرے کو نزدیک سے نزدیک تر کیا اور بھائی بھائی بنا دیا۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ پیار ومحبت کی ایسی مثال قائم کی کہ اپنی جان دوسروں پر نثار کر دی۔اس سے بڑی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔اور یہ جو کچھ

کیا اللہ کے لئے کیا اور کسی پر احسان بھی نہیں کیا۔

کسی کو اعتراض ہوسکتا ہے۔لیکن اعتراض سے حقانیت کو شکست نہیں دی جاسکتی۔اور اپنے آپ کو بچایا نہیں جاسکتا۔ہر انسان ذمہ دار ہے۔اس کو فقط اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔اور اگر اللہ پوچھ بیٹھے کہ مسلمان اچھے نہیں تھے تو کیا میرا دین تو ٹھیک تھا اور جس برائی سے مسلمانوں کو نا منظور کیا۔اس اچھائی کو خود کیوں نہیں اپنایا۔پھر کیا جواب دیں گے۔ہر انسان نے اچھا ہونا ہے۔ ایمان لانا ہے۔نیک عمل کرنا ہے۔اللہ نے یہی حکم دیا ہے۔دوسروں کے کیڑے نکالنے کے لئے نہیں کہا۔بلکہ نیک کام کرنے کے لئے کہا اور اسی کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کہا۔

تمام عیسائیوں کو،تمام یہودیوں کو،تمام ہندوؤں کو،تمام غیر مذہب اور مکتب فکر کو دعوت دی جاتی ہے کہ دین اسلام کی طرف آجاؤ۔اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ اور اس دین کو لیکر دنیا میں پھیل جاؤ۔دیکھو پیچھے مت رہو۔ورنہ پیچھے رہنے والوں کا حشر برا ہوگا۔

ایک اور چیز واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ لیکن تمہاری آنے والی نسلیں مسلمان ہونگی اور پورے عالم میں دین محمدی کا بول بالا ہوگا۔قرآن کی پیروی ہوگی اور اللہ کی ذات کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔انسان اپنے تمام اعمال کا جواب دہ ہوگا اور اللہ واحد و یکتا کسی چیز کا کسی کو جواب دہ نہیں۔اس کی شان جیسے ہے ویسے ہی رہے گی۔اس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔انسان اپنے تمام اعمال کا جواب دیکر جنت یا دوزخ کا رخ کریں گے۔کیا آپ نہیں چاہیں گے کہ جنت کا رخ کریں۔

دُعائے مغفرت

انگلینڈ کے بھائی ملک فرحان صاحب کے دادا انتقال فرما گئے ہیں۔سب بھائیوں سے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے

عدل کا کرشمہ

اس واقعے کو شام کے مشہور مولف اور مصنف الشیخ علی الطنطاوی رحمہ اللہ کی کتاب **قصص من التاریخ** سے اختصار اور معمولی تصرف کے بعد لیا گیا ہے۔

سمرقند کی ایک گہری سرد رات میں ایک شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے، چاروں طرف گھپ اندھیرا ہے۔ اس کا رخ شاہی محل کی طرف ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اندھیرے میں راستہ تلاش کرتا بالآخر محل کے قریب جا پہنچتا ہے۔ اس کے ایک جانب معبد ہے۔ اس کے دروازے پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس پر مورتیاں کھدی ہوئی ہیں۔ اس پر رعب طاری ہے۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ معبد میں داخل ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے اس کو کبھی یہ موقع میسر نہیں آیا۔ یہ بھاری بھر کم نوجوان بزدل نہیں بلکہ نہایت بہادر شخص ہے۔ اس کا قد خاصا لمبا ہے۔ نہایت ذہین وفطین ہے۔ سوچ اور فکر بلند ہے، وہ نہایت مدبر ہے۔ مقامی زبان تو اس کی مادری ہے مگر اس میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس کو عربی زبان پر عبور حاصل ہے اور وہ فرفر عربی زبان بولتا ہے۔ اسے معبد کے سب سے بڑے عہدے دار نے ملاقات کے لیے بلوا رکھا ہے۔ اس ملاقات کے شوق اور خوف نے اسے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا ہے۔ اس معبد میں بہت کم لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔ اور جو اس کے ذمہ داران ہیں وہ بس ایک مرتبہ اندر داخل ہوتے ہیں اور پھر ساری زندگی ان کو سورج کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا۔ اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ اگلے کمرے کے وسط میں اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو دیکھا۔ اس کی سفید لمبی داڑھی تھی۔

اس نے اس کو اس کے نام سے پکارا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ معبد کا چوکیدار ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ کئی غلام گردشوں سے گزرنے کے بعد کاہنوں کے سردار کے سامنے جا پہنچا۔ ان کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ معبد سے نہیں نکلتے تھے۔ بہت کم لوگ ہی ان سے ملاقات کر پاتے۔ اس ملک کے حقیقی حکمران یہی کاہن تھے۔ کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ ان کی حکم عدولی دراصل خداؤں کی نافرمانی

کے مترادف ہے اور ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہوں گے۔

اس نوجوان کی نگاہیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس نے دائیں بائیں دیکھا۔کاہن ایک صف میں کھڑے تھے۔اس نے بڑے کاہن کی طرف اپنے کان لگا دیے جو آہستہ آہستہ گفتگو کررہا تھا۔پہلے تو اسے کچھ سمجھ نہ آئی مگر بتدریج اس کو مفہوم سمجھ آنے لگا کہ وہ سمرقند کی تاریخ اور اس کا ماضی بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ کس طرح مسلمانوں نے اس ملک پر قبضہ کرلیا ہے۔ہم نے اس قبضے کے خلاف کتنی ہی ناکام کوششیں کیں مگران کا اقتدار بتدریج پکا ہوتا جارہا ہے۔اب ہم ترپ کا پتہ پھینکنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم نے سنا ہے کہ اس قوم کا بادشاہ نہایت عادل شخص ہے،وہ دمشق میں رہتا ہے۔ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا جائے جس کے ہاتھ ہم اپنی شکایت ارسال کریں۔ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کرتا ہے۔چونکہ تم عربی زبان سے واقف ہو،لہٰذا ہم نے تمہیں منتخب کیا ہے۔تم نہایت ذہین اور دلیر بھی ہو۔گفتگو کا فن جانتے ہو۔کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو؟ نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بڑا کاہن کہنے لگا کہ پھر فوری طور پر اپنے سفر پر روانہ ہوجاؤ۔تمہیں زادراہ وافر مہیا کردیا جائے گا۔نوجوان وہاں سے نکلا تو خوشی اور مسرت اس کے چہرے پر عیاں تھی۔آج سب سے بڑے کاہن نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے۔مجھے ایک عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے۔اب وقت ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکوں۔سمرقند کو آزادی دلانے میں میرا بھی حصہ ہوگا۔وہ گھر واپس آیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔معبد کی طرف سے اس کو زادراہ وافر مقدار میں مہیا کردیا گیا۔اس کا تیز رفتار گھوڑا اس کے ہمراہ تھا وہ اس پر سوار ہوا اس کا رخ بخارا کی طرف تھا۔وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا حلب پہنچ گیا۔دمشق اس کی آخری منزل تھی جواب بالکل قریب تھی۔اور وہ دن بھی آیا جب وہ دمشق میں داخل ہورہا تھا۔

دمشق جو مسلمانوں کا دارالخلافہ تھا،ان کی عظمت کا نشان،بہت بڑا شہر،نہایت صاف ستھرا،تہذیب یافتہ تھا۔اسے یہ سمرقند سے کہیں بڑا نظر آیا۔

وہ ایک سرائے میں اترا اور اس کے مالک سے پوچھا کہ امیرالمومنین سے ملنے کا کیا طریقہ

ہے۔سرائے کے مالک نے کہا کہ ہمارے امیر المومنین سے ملنا نہایت آسان ہے۔تم مسجدِ اموی کی طرف چلے جاؤ۔وہاں کسی بھی شخص سے ان کے گھر کا راستہ پوچھ لینا۔وہاں کوئی پہرے دار نہیں ہے نہ ملاقات پر کوئی پابندی ہے۔

وہ مسجدِ اموی میں داخل ہوا۔ایسی خوبصورت عمارت اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔اس نے خیال کیا کہ یہی شاہی محل ہوسکتا ہے، چنانچہ اس نے ایک شخص سے پوچھ ہی لیا۔اس کے لہجے اور شکل سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔اس شخص نے کہا:

کیا تم قصر خلافت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟

مگر کیا یہ قصر خلافت نہیں ہے؟اس نے تعجب سے پوچھا۔اس شخص نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں کہا:نہیں،اجنبی دوست، یہ تو اللہ کا گھر ہے،یہ مسجد ہے۔کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے۔

نماز۔۔۔۔میں کیسے نماز ادا کرسکتا ہوں؟میں تو سمرقند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔اس دین کو کاہنوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ اسرار سے بھرا ہوا ہے!

آدمی نے سمرقندی سے دوبارہ سوال کیا تو اس نے کہا کہ میں نماز کیسے پڑھوں؟مجھے نماز کا طریقہ ہی معلوم نہیں۔

اس نے پوچھا:تمہارا دین کیا ہے؟

کہنے لگا:میں سمرقند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔

سوال ہوا:ان کا دین کیا ہے؟

جواب ملا: مجھے معلوم نہیں۔

سوال: پھر تمہارا رب کون ہے؟

اس نے جواب دیا: معبد کا خدا۔

اب اس نے اگلا سوال کیا:اگر تم اس سے مانگو تو کیا تمہیں عطا کرتا ہے اور اگر تم بیمار ہو تو تمہیں شفا دیتا ہے؟

کہنے لگا: مجھے معلوم نہیں۔

اس شخص نے موقع غنیمت جانا کہ ایک شخص شکل وصورت سے ذہین وفطین ہے، اجنبی ہے۔ اس کا کوئی دین اور مذہب نہیں، اس کو دین کے اصول بتائے جائیں، چنانچہ اس نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور پھر چند لمحوں کی بات تھی، اس سمرقندی کے دل کا غبار چھٹ گیا اور اس نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور دین اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب اس شخص نے اپنے اس نومسلم بھائی سے کہا:

چلو ہم امیر المومنین سے ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ وقت انہوں نے گھر والوں کے لیے مختص کیا ہوا ہے، پھر بھی وہ بڑے متواضع ہیں۔ مسجد سے نکل کر وہ گلی میں آئے۔ نہایت ہی سادہ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے اس نے بتایا کہ یہ امیر المومنین کا گھر ہے۔ اس کو تعجب ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ بڑا عالیشان محل ہوگا۔ مگر یہ تو معمولی گھر ہے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ عادل عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کا حال پوچھا اور آنے کا مقصد معلوم کیا: بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے۔ یہ دھوکے سے قبضہ ہوا ہے، نہ تو اعلان جنگ ہوا اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی، ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے: اللہ کے نبی نے ہمیں ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیں عدل وانصاف کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آواز دی: اے غلام! کاغذ اور قلم لایا جائے۔

غلام کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر حاضر ہو گیا۔ اس پر دو سطریں لکھیں، اس پر مہر لگائی، پھر اس کو سر بمہر کر کے سمرقندی سے کہا کہ اسے اپنے شہر کے حاکم کے پاس لے جاؤ۔

سمرقندی واپس ہوا۔ اب اس کا سینہ توحید کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ جہاں جاتا وہاں سیدھا مسجد میں داخل ہوتا۔ نماز پڑھتا، اور اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کر کے اپنی منزل کو روانہ ہو جاتا۔ سفر کی ایک عجیب لذت تھی۔ اب اس کے لیے کوئی شخص اجنبی تھا نہ وہ دوسروں کے لیے اجنبی۔ وہ جس مسجد میں نماز ادا کرتا، لوگ اس کی طرف دیکھتے۔ اس کی شکل وشباہت سے پتہ چل

جا تا کہ وہ مسافر ہے۔اس علاقے کا رہنے والانہیں ہے۔اور پھر نمازیوں میں اس کی مہمان نوازی کے لیے بازی لے جانے کی کوشش ہوتی۔ہر کوئی اسے اپنے گھر میں جانے اور اس کی ضیافت کرنے کے لیے اصرار کرتا۔اب اس کو مسجد کی اہمیت اور اس دین حنیف کی بے شمار خوبیوں کا ادراک ہو چلا تھا۔پھر ایک دن آیا جب وہ سمرقند میں داخل ہو رہا تھا۔وہ سیدھا معبد کی طرف گیا۔اس نے کاہنوں کو رپورٹ دینی تھی۔ان کو خلیفۃ المسلمین کے جواب سے مطلع کرنا تھا۔وہ معبد میں داخل ہوا۔اب وہ اس کی تاریک گلیوں اور غلام گردشوں سے خائف نہیں تھا۔

پتھروں سے بنے ہوئے بت جو کبھی اس کے لیے معما سے کم نہ تھے،اب اس کی حقیقت سے واقف ہو گیا تھا۔یہ بت تو ہاتھوں کے بنائے ہوئے تھے،کسی کاریگر کے ہاتھوں کا کمال،نہ نفع و نقصان کے مالک اور نہ اپنے آپ کو کلہاڑے کی ضرب سے بچا سکنے والے۔وہ ان پر ایک حقارت کی نظر ڈالتا ہوا بڑے دروازے پر جا پہنچا۔دربان اس کو خوب پہچانتا تھا۔اور پھر اس کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے۔اور وہ چند منٹوں کے بعد بڑے کاہن کے سامنے کھڑا تھا۔کاہن کو اسے دیکھ کر اعتبار نہ آیا۔اس کا خیال تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہوگا۔مگر ان کا ایلچی ان کے سامنے کھڑا تھا۔اس نے ان کے سامنے تفصیل سے سفر کے حالات بیان کیے۔کیسے گیا،کہاں کہاں سے گزرا۔اپنا اسلام لانے کا واقعہ وہ جان بوجھ کر گول کر گیا۔خلیفہ سے ملاقات اور حکم نامہ حاصل کرنے تک ایک ایک بات ان کے گوش گزار کی گئی۔کاہنوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔بشاشت ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ہماری آزادی کا وقت آ گیا ہے۔خلیفہ کی طرف سے واضح حکم ہے کہ قاضی کے سامنے اس مقدمے کو پیش کیا جائے۔کاہنوں کو مکمل آزادی ہوگی کہ وہ اپنے دلائل دیں۔مدعا علیہ قتیبہ بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا اور پھر قاضی جو فیصلہ دے اس کو نافذ کیا جائے۔

اور پھر وہ دن آ گیا جس کا اہل سمرقند کو انتظار تھا۔بے شمار لوگ اس تاریخی مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے چلے آئے۔عدالت مسجد میں لگی ہوئی ہے۔وہ کاہن جن کو کبھی کسی شخص نے نہ دیکھا تھا،مقدمے کی پیروی کے لیے حاضر ہیں۔مسلمانوں کا سپہ سالار،امیر اور فاتح قتیبہ بھی حاضر

ہے۔سب کے سب قاضی کے منتظر ہیں۔

کاہن کس بات کی اُمید اور مقدمہ لے آئے ہیں؟ ذرا غور کیجئے، یہ کہ ایک فاتح قوم مفتوح علاقوں سے نکل جائے۔مقدمہ جس شخصیت پر دائر کیا گیا ہے وہ عظیم قائد اور سپہ سالار ہے۔ نگاہیں مسجد کے دروازے کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ کب قاضی داخل ہوتا ہے۔حاضرین کو بہت زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ایک چھوٹے قد اور نحیف جسم والا شخص، معمولی لباس پہنے، سر پر عمامہ رکھے ہوئے دروازے سے داخل ہوتا ہے۔اس کے پیچھے اس کا غلام ہے۔لوگوں میں سناٹا چھا گیا ہے۔بعض نے اپنی انگلیاں منہ میں دبالی ہیں۔اچھا یہ ہے مسلمانوں کا قاضی۔یہ خلیفہ اور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف فیصلہ دے گا۔

قاضی مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالتا ہے۔اس کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے امیر کا نام لے کر اسے بلایا جا رہا ہے کہ وہ عدالت کے سامنے حاضر ہو۔امیر شہر حاضر ہو۔امیر شہر حاضر ہوا۔عدالت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اب غلام کاہنوں کے سردار کو بلوا رہا ہے جو امیر کے ایک طرف بیٹھ گیا ہے۔اور اب عدالت کی کاروائی شروع ہوئی ہے۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب ہے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا:

''قائد عصر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوئے۔

اعلان جنگ نہیں کیا اور ہمیں اسلام کی دعوت بھی نہیں دی گئی۔''

قاضی نے اب امیر کی طرف دیکھا کہ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے قاضی کو دیکھا اور گویا ہوا:

''لڑائی تو دھوکا ہوتی ہے۔یہ ملک بہت بڑا ہے، اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے کفر و شرک سے محفوظ فرمایا ہے اور اسے مسلمانوں کی ملکیت اور وراثت میں دے دیا ہے۔''

قاضی: کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں صورتوں میں انکار پر لڑائی کی دعوت دی تھی۔

سپہ سالار: نہیں ایسا تو نہیں ہوا۔

تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔"

اب آگے قاضی کے الفاظ پر غور کریں:

"اللہ رب العزت نے اس اُمت کی مدد اس لیے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکا دہی سے اجتناب کیا۔"

"اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں، ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں ہے۔"

"اور نہ حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہمارا مقصد ہے۔ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مسلمان اس شہر سے نکل جائیں۔"

"اور شہر اس کے اصل باشندوں کو واپس کریں۔ پھر ان کو دعوت دین دیں، جنگ کا چیلنج دیں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔"

اہل سمرقند اور کاہنوں نے اس فیصلے کو سنا، ان کے کانوں اور آنکھوں نے جو سنا اور دیکھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے سوچا ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ قاضی نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بہت سوں کو تو پتہ ہی نہ چلا کہ عدالت برخاست ہو چکی ہے اور قاضی اور امیر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

ہمارا سمرقندی (مسلم) سفیر بڑی حیرت سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو خوب غور سے دیکھتا ہے۔ چہرے کے رنگ بدل رہے ہیں۔ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔ بڑے کاہن نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ اس نے اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنا شروع کیا ہے۔ اپنے عقیدے اور منہج کے بارے میں سوچتا ہے: کتنا عجیب و غریب عقیدہ ہے۔ اس کا دائرہ کتنا مختصر اور چھوٹا ہے جو صرف کاہنوں کے درمیان گھومتا ہے؟ اور اب اس کا ذہن دین اسلام کے حوالے سے سوچ رہا ہے۔ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور بڑا ہے۔ خیر سے بھرپور، عدل و انصاف کرنے والا دین، جس کی بلندیوں کو سورج کی

شعاعیں اور چاند کی روشنی بھی چھونے سے قاصر ہیں، وہ آنکھیں بند کر کے کتنی ہی دیر بیٹھا سوچتا رہتا ہے۔ اس کا ذہن اور فکر مسلسل بدل رہا ہے۔ میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا؟ روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقیناً اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔ آج عدالت میں سب لوگوں نے دیکھا قاضی کے سامنے حاکم کس طرح سرنگوں ہو کر بیٹھا تھا۔ کیا ہمارا بادشاہ اس طرح عدالت کے سامنے پیش ہو سکتا ہے؟ وہ ابھی اِسی غور و فکر میں تھا کہ اِسے گھوڑوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ بازاروں سے گزر رہے تھے۔ شور برپا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ آوازوں کی طرف کان لگائے۔ اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے۔

اِسے بتایا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ وہاں وہ عظیم افواج جن کے سامنے یثرب سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی، جنہوں نے قیصر و کسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جو طاقت بھی مسلمانوں کے راستے میں آئی اِسے وہ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئے۔ مگر آج اسلامی فوج ایک کمزور سے، نحیف و نزار جسم کے مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے دست بردار ہو گئی ہے۔ آج صبح کی بات ہے ایک شخص جسکے ساتھ صرف ایک غلام تھا، اس نے مقدمے کی سماعت کی۔ چند منٹوں کی سماعت۔ عدالت میں دو طرفہ بیانات بنے۔ سپہ سالار کا اقرار اور پھر تین فقروں پر مشتمل فیصلہ۔ مسلمانوں کے امیر کو عدالت نے شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت کے حکم کے مطابق وہ باقاعدہ چیلنج دیں گے اور پھر دوبارہ لڑائی کریں گے۔

کاہن اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ سے سوال کیا: اہل سمرقند اس سیل رواں کے سامنے ڈٹ سکیں گے؟ کیا ان کے پاس مقابلے کی قوت ہے؟ دنیا کے تمام ممالک ان کے سامنے جھک گئے۔ کیا ہمارا دین باطل اس حق کے سامنے ٹھہر سکے گا؟ کیا وہ نور اسلام کا مقابلہ کر پائے گا؟

نہیں ہرگز نہیں۔ رب کا فیصلہ آ چکا ہے کہ ظلم و ستم کی رات کو ختم ہونا ہے۔ دنیا پر نئی فجر طلوع ہو

رہی ہے۔اس نور کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟ ارے جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس نے انہیں پکارا۔سمرقندی مسلم ایلچی زور سے کہنے لگا: ساتھیو! میرا فیصلہ اور مشورہ سنو۔کان اس کی طرف لگ گئے۔اس نے کہا:

''میں گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

اب بڑے کاہن کی یہ کہنے کی باری تھی: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لی ہیں۔اس ملک سے واپس مت جائیں۔ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ہم نے اپنوں کا راج دیکھا، ان کے ظلم و ستم سے ہم خوب واقف ہیں۔آپ سب لوٹ آئیں۔ہم نے بھی تمہارے دین کو قبول کر لیا ہے۔اور پھر تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمان فوج واپس ایک مفتوح شہر میں داخل ہو رہی ہے۔

''کوئی حاکم و محکوم باقی نہیں رہا، کوئی غالب اور مغلوب نہیں رہا، تمام کے تمام اسلام بھائی بن گئے ہیں''۔

کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔کوئی طاقتور کمزور پر بھاری نہیں۔ہاں فرق کرنے والی چیز صرف تقویٰ ہے۔

اس طرح سمرقند کی سرزمین میں اسلام کی دولت داخل ہو گئی اور پھر اس میں سے کبھی یہ دولت نہیں نکل سکی۔ (بشکریہ سیارہ ڈائجسٹ)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

﴿فریال رشید ساھی﴾

پڑھنے سننے کے لحاظ سے تو یہ مفکر اسلام علامہ اقبالؒ کے ایک شعر کا مصرعہ ہے لیکن حقیقت میں دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

عمل بالکل ایسا ہے جیسے ایک زندہ جسم کیلئے حرکت۔

اگر کوئی جاندار پیدا ہونے سے مرنے تک کوئی حرکت نہ کرے ہمیشہ بے حس و حرکت ایک ہی حالت میں پڑا رہے خواہ اس کی عمر ہزاروں برس ہی کیوں نہ ہو اس پر ''زندہ'' کا لفظ صادق نہیں آتا قرآن پاک میں بھی سستی، کاہلی اور بے عملی کی سخت مذمت کی گئی ہے قوموں کے عروج کا راز قوت عمل میں ہی پوشیدہ ہے۔ عزت اور آزادی کی داستانیں قوت عمل سے ہی جنم لیتی ہیں کارزارِ عمل میں سرگرم رہنے والی قومیں ہی دنیا میں وقار کے ساتھ اپنا وجود برقرار رکھتی ہیں قرآن پاک میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ''زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو'' ارشاد ہوتا ہے ''اپنا دنیا کا حصہ حاصل کئے بغیر دم نہ لو'' اللہ رب العزت فرماتے ہم سے یوں مانگا کرو ''اے رب ہم کو دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں عطا فرمائیں'' لیکن نعمتیں حاصل کرنے کیلئے عمل کی ضرورت ہے بے عملی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ چائنہ، جاپان اور دوسرے یورپی ممالک کی مثال ہمارے سامنے ہے ان ممالک کی عوام نے قوت عمل سے ہی اپنے معیار زندگی کو بلند کیا اور اس وقت ساری دنیا کی تجارتی منڈی پر ان ممالک کا راج ہے۔ عوام کو زندگی کی ساری سہولتیں حاصل ہیں قوت عمل کی لگن کی وجہ سے یورپی قومیں تمام دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں۔

لیکن ایک ہم ہیں پاکستانی بحیثیت قوم ترقی کی دوڑ میں بہت ہی پیچھے رہ گئے ہیں بلکہ ترقی نہ ہونے کے برابر ہے 1947ء میں آزاد ہونے والا ملک ابھی تک اپنے وسائل پر انحصار کرنے کے قابل بھی نہیں ہو سکا۔ 75فیصد زرعی پیداوار والا ملک خوراک میں بھی خود کفیل نہیں ہو سکا اجناس کیلئے بھی ہم یورپی ممالک کے محتاج ہیں دھاگہ، سوئیاں اور پیانے تک چائینہ سے منگوا رہے ہیں جب سے ملک پاکستان معرض وجود میں آیا ہے کوئی بھی انسانیت کا درد رکھنے والی اور اسلام سے محبت کرنے والی قیادت ہمیں نصیب ہی نہیں ہوئی جو بھی آتا ہے اپنا پیٹ بھرتا ہے ملکی

اور قومی وسائل کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر بے دریغ استعمال کرتے ہیں غیر ملکی بنکوں میں رقوم اکٹھی کرتے ہیں جب مشکل میں پڑتے ہیں تو جہاں سرمایہ ہوا ہے وہاں فلائی کر جاتے ہیں۔ پاکستانی معاشرت میں سب سے بڑا بددیانت اور راشی سب سے بڑا معزز شمار ہوتا ہے لوگ اس کے ساتھ رشتہ داری کرنے اور دوستی کرنے کو عزت کی نشانی خیال کرتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ دعویٰ تو ہمارا یہ ہے کہ دنیا کا سب سے اعلیٰ دستورِ حیات اور بے نظیر معاشرتی نظام تو ہمارے پاس ہے لیکن بے عملی کی وجہ سے ہم آج تک اپنے اس دعویٰ کو سچ نہیں کر پائے کیونکہ اسلام تو سراسر عمل کا نام ہے مسلمانوں کو مصروف عمل رکھنے کیلئے خدا تعالیٰ نے کیا نہیں کیا سارا قرآن پاک "عمل کرو، عمل کرو، مناسب عمل کرو" کے الفاظ سے بھرا پڑا ہے اور پھر ساتھ ہی خدا نے انسانی رہنمائی کیلئے اپنے محبوب ترین بندے حضرت محمد ﷺ کو اپنا مکمل اور آخری آئین قرآن پاک عطا فرمایا اور انسانی رہنمائی کیلئے رحمت عالم بنا کر دنیا میں بھیجا تا کہ انسانیت کی عملی تربیت کی جا سکے اور قیامت تک کیلئے اب وہی ضابطے اور قانون ہی لاگو رہیں گے۔ دنیا اور دین کی کامیابی کیلئے عمل انتہائی ضروری ہے عمل کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا انسان کتنا ہی عقلمند ہو عالم اور فاضل ہو جب تک عمل نہیں کرے گا پتھر کی طرح اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

انسان کو خدائے بزرگ و برتر نے پیدا فرما کر زندگی کی نعمت عطا فرمائی اور روزِ محشر اسی زندگی کا حساب و کتاب لیا جائے گا اگر عمل قرآن یعنی قانونِ خدا اور فرمانِ مصطفیٰؐ کے مطابق ہوئے تو انسان سرخرو ہو کر جنت کا حقدار ٹھہرے گا اور نافرمانیوں کی بدولت ناکام ہو کر جہنم کا ایندھن بنے گا۔

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

قوتِ عمل کی بدولت ہی انسان عروج ثریا تک جا سکتا ہے اور مقام سدرۃ المنتہا کو عبور کر سکتا ہے اور قوتِ عمل کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہاویہ اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ لہٰذا

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

بابا جی کا جڑواں شہر کا دورہ

﴿پیر خاں توحیدی﴾

بابا جی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب جڑواں شہر راولپنڈی اسلام آباد کا دورہ ہر سال ستمبر کے آواخر میں رکھا کرتے ہیں۔امسال رمضان المبارک کیوجہ سے یہ دورہ ملتوی کرنا پڑا۔رمضان المبارک کے بعد راولپنڈی حلقہ کے بھائیوں نے بابا جی کو اکتوبر میں بلانے کی خواہش ظاہر کی بھائیوں کو بتایا گیا کہ بابا جی اکتوبر میں پنجاب کے دورے پر نکلتے ہیں۔اِدھر راولپنڈی اسلام آباد میں سردی کی وجہ سے اُن کا دورہ مشکل نظر آ رہا تھا۔بھائیوں کو اس بات سے مایوسی ہوئی اُوپر سے ایک دن گرج چمک کے ساتھ شدت کی بارش اور اولے بھی برس پڑے۔جس کی وجہ سے موسم میں زبردست خنکی پیدا ہوگئی۔اب تو بابا جی کے آنے کی کوئی اُمید تھی بھی تو ختم ہوگئی۔اللہ کا کرنا کہ بارش کے بعد آسمان خوب صاف ہوگیا اور سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔موسم میں تمازت آ گئی اور بہار جیسا سماں پیدا ہونے لگا موسم کو نکھرتا دیکھ کر بھائی لوگوں نے ایک بار پھر بابا جی کو بُلانے کی خواہش ظاہر کی۔اللہ نے بھائیوں کی خواہش کی لاج رکھ لی کہ 10 اکتوبر 2008ء کو صبح تقریباً دس گیارہ بجے فون کی گھنٹی بجی۔میں اُس وقت خواجہ ولی محمد صاحب کے دولت خانہ پر تھا اور جمعہ کی نماز کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔فون اُٹھایا تو دوسری طرف سے بابا جی بول رہے تھے۔ دعا وسلام ، حال و احوال کے بعد موسم کے بارے میں دریافت کیا۔میں نے سب اچھا کی رپورٹ دی اور آپ کو دورہ کی دعوت دینے ہی والا تھا کہ بابا جی نے خود ہی اِدھر آنے کی خواہش کا اظہار کیا اور بھائیوں سے مشاورت کر کے اطلاع دینے کا کہا۔حلقہ ذکر کے بعد تمام بھائیوں کو بابا جی کا سلام عرض کیا ابھی میں بابا جی کے دورے کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا کہ انہوں نے بے چینی سے آپ کے آنے کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔میں نے انہیں بتایا کہ آئیں گے جلد آئیں گے۔یہ سن کر بھائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی میں نے بھائیوں کو مطلع کیا کہ پہلے ہم مشاورت کر کے پروگرام مرتب کریں گے پھر بابا جی کو آنے کی اطلاع دیں گے۔مشاورت کیلئے آنے والا جمعہ 17 اکتوبر منتخب کیا گیا تا کہ اسلام آباد والے بھائی بھی شریک ہوسکیں۔اسلام آباد والے بھائیوں کو اطلاع دے کر جمعہ کا انتظار ہونے لگا لیکن خالد مسعود صاحب اور محمد مخدوم

صاحب ہی حاضر ہو سکے۔تا ہم بھائیوں کے مشورہ سے باباجی کے سہ روزہ پروگرام جمعرات 23 اکتوبر تا اتوار 26 اکتوبر مرتب کر کے باباجی کو اطلاع دی وہ Agree ہو گئے۔اُس کے بعد باباجی کے قیام اور حلقہ ذکر کے پروگراموں کو حتمی شکل دے کر آپ کی آمد کا انتظار ہونے لگا۔

23 اکتوبر تقریباً 9 بجے صبح باباجی نے فون پر بتایا کہ وہ بذریعہ سبک رفتار (ریل کار) تشریف لا رہے ہیں اور اُن کے ساتھ حاجی محمد احمد صاحب اور علی رضا صاحب ہیں۔اس ریل کار نے ساڑھے بارہ بجے راولپنڈی سٹیشن پر پہنچنا تھا۔انہیں ریسیو کرنے ہم چار بھائی خواجہ ولی محمد صاحب غلام محمد صاحب، اقبال احمد صاحب اور راقم الحروف وقت مقررہ سے پہلے ہی ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے لیکن ہم سے پہلے ہمارے ایک سنیئر مگر نوجوان بھائی جناب طارق محمود صاحب، جو اناٹمک انرجی میں آفیسر ہیں بمعہ اپنی گاڑی ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔یہ طارق صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں یہ صاحب قبلہ انصاری صاحب کے منظورِ نظر ہونے کے ساتھ ساتھ جناب قاری غیور صاحب اور عطاء اللہ شاہ صاحب کے بھی چہیتے ہیں اِسی لئے بچپن سے ہی صاحب تصرف اور روشن ضمیر مانے جاتے ہیں۔اِنشاء اللہ آگے بھی ان کا ذکر چلتا رہے گا۔ہم سارے بھائی کھڑے ہی کھڑے باباجی کی گاڑی کا انتظار کرنے لگے جو تھوڑی ہی دیر کے بعد خراماں خراماں 3 نمبر پلیٹ فارم پر آ کر رُک گئی۔چونکہ باباجی نے اپنی بوگی کا نمبر بتادیا تھا اس لئے ہم نے 2 نمبر بوگی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔احمد بھائی نے اندر ہی سے اشارہ کر کے ہمیں چوکنا کر دیا۔ہم نے باباجی اور دوسرے بھائیوں کو پلیٹ فارم پر Receive کیا اور گاڑیوں میں بیٹھ کر پروگرام کے مطابق بھائی اقبال صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔دوپہر کے کھانے کے بعد باباجی اور دیگر بھائیوں نے وہاں ہی تھوڑا بہت آرام کیا۔شام 5 بجے غلام محمد صاحب (G.M) انہیں لے کر مرکز خواجہ ولی محمد صاحب کے آستانہ پر پہنچ گئے جہاں دوسرے بھائی باباجی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔بھائیوں نے باباجی سے ملاقات کی اور مغرب کی نماز کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حاضری کافی تھی اسلام آباد اور رسالپور کے بھائیوں کے علاوہ کچھ مہمان دوست بھی موجود تھے۔ نماز کے بعد حلقہ ذکر شروع کرنے سے پہلے بھائی غلام مرتضٰی صاحب نے حلقہ کا تعارف کرایا ذکر کا طریقہ اور اس کی افادیت کے بارے میں بھائیوں کو بتایا۔ذکر کے بعد باباجی نے دُعا فرمائی۔

نمازِ عشاء کے بعد کھانا تناول فرمایا گیا۔ کھانے کے بعد کچھ بھائیوں نے اجازت لی اور باقی بھائی بابا جی کے فرمودات کے منتظر بیٹھے رہے۔ بات چیت کا سلسلہ جاری ہوا تو بابا جی نے وقت کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے فرمایا کہ سورہ عصر میں اللہ تعالیٰ نے "وقت" کی قسم کھا کر فرمایا کہ انسان خسارے میں ہے یعنی وقت بہت ہی اہم اور انمول چیز ہے جسکی اللہ نے قسم کھائی ہے۔ انسان اِس دنیا میں بہت مختصر وقت لے کر آیا ہے۔ اور اسی تھوڑے سے وقت پر انسانی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے۔ اگر اُس نے وقت سے فائدہ اُٹھا کر نیک اعمال کئے تو کامیاب ہو گیا اور اگر اِس وقت کو کھیل تماشہ میں ضائع کر دیا تو ناکام ہوا اِسی لئے اللہ نے فرمایا کہ قسم ہے وقت کی انسان خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے رہے وہ کامیاب ہوئے۔ بابا جی نے بھائیوں کو اِس تھوڑے سے وقت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی تلقین فرمائی اور حضرت عمرؓ کے قول کی طرف توجہ دلائی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مومن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے نہ دنیا کا کام کرے اور نہ اللہ کو یاد کرے یعنی یہ مومن کی شان نہیں کہ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کرے۔ فقیری یہ نہیں کہ گھر بار چھوڑ کر جنگلوں، ویرانوں میں پھرو نہ خود کچھ کرو اور نہ دوسروں کو کرنے دو۔ فقیری تو یہ ہے کہ محنت مزدوری سے حلال رزق حاصل کرو خود کھاؤ اوروں کو بھی کھلاؤ اور ساتھ ساتھ اللہ کی یاد کو اپنے دل میں بسائے رکھو۔ بابا جی نے فرمایا کہ قبلہ انصاری صاحب نے اِس وقت سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کا بہت آسان نسخہ بتا دیا ہے اور وہ ہے پاس انفاس جس کیلئے نہ وقت کی بندش ہے اور نہ جگہ کی ہاں اگر کبھی کوئی ایسا کام ہو جس میں جسم اور ذہن دونوں مصروف ہوں اور پاس انفاس رُک جائے تو جونہی فراغت حاصل ہو ایک دم اللہ کی طرف رجوع کر کے پاس انفاس شروع کر دو لیکن فراغت کا کوئی بھی لمحہ اللہ کی یاد سے خالی نہ ہو۔ بابا جی نے یہ بھی فرمایا کہ جب کبھی تم لوگ کہیں سفر کر رہے ہو ڈیوٹی پر جا رہے ہو، گاڑی، موٹر سائیکل یا سائیکل چلا رہے ہو تو منزل پر پہنچنے کا وقت مکمل طور پر آپکی ڈسپوزل پر ہو گا اِس وقت میں خوب اللہ اللہ کرو سفر بھی خوش اسلوبی سے کٹے گا اور اللہ کے ساتھ رابطہ بھی قائم رہے گا اِس طرح وقت کا قیمتی سرمایہ ضائع ہونے سے بچ جائے گا کوئی بارہ بجے تک یہ نشست قائم رہی جس میں بابا جی نے بہت سے دوسرے قیمتی فرمودات بھی بھائیوں کے گوش گذار کئے۔ اور محفل برخاست ہو گئی۔

24 اکتوبر بروز جمعہ تقریباً 9 بجے بھائی غلام محمد (GM) اور بھائی اقبال احمد ناشتہ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ورکنگ ڈے ہونے کیوجہ سے حاضری ذرا کم تھی لیکن طارق صاحب کے آنے سے رونق دوبالا ہوگئی سب موجود بھائیوں نے باباجی کے ساتھ ناشتہ سے لطف اُٹھایا اور پروگرام کے مطابق اسلام آباد خالد مسعود صاحب کے ہاں جانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔جمعہ کی نماز اسلام آباد میں ادا کرنے اور دوپہر کا کھانا کھانے کا پروگرام وہاں ہی تھا۔طارق صاحب نے باباجی اور آپ کے ہمسفر بھائیوں کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے ہم لوگ بھی ان کے پیچھے جی ایم صاحب کی گاڑی میں چل پڑے جمعہ کی نماز کے بعد خالد مسعود صاحب نے کھانا حاضر کیا۔کھانے کے بعد باباجی آرام کرنے کیلئے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔طارق صاحب نے اپنی بزرگی چمکانے کیلئے تصوف کا موضوع چھیڑ دیا۔اور کہنے لگا کہ آج کل مجھے کوئی صاحب تصرف نظر آتا ہے اور نہ ہی کوئی دل کو پھڑکا دینے والا دیکھائی دیتا ہے۔ہم تو ویسے بھی طارق صاحب سے خائف رہتے ہیں اور اُن کی بزرگی کو سلام کرتے رہتے ہیں۔لیکن آج ہمارے اِس نوجوان بھائی علی رضا صاحب نے طارق صاحب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور کہا کہ دل کا پھڑکانا کرامات دکھانا کوئی مشکل کام نہیں۔یہ تو غیر مذاہب کے لوگ بھی کرتے ہیں۔مشکل کام تو یہ ہے کس طرح اللہ کی رضا حاصل کی جائے اور کس طرح اللہ کا قرب نصیب ہو۔کرامات دکھانا اور دلوں کو پھڑکانا کوئی فقیری نہیں یہ تو شعبدہ بازی ہے۔جسکی کی نہ کوئی افادیت ہے اور نہ ہی اس سے انسانیت کی کوئی خدمت ہوتی ہے۔بھائی علی رضا نے طارق صاحب کو کہا اگر آپ اپنا دل ہی پھڑکانا چاہتے ہیں تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔یہ سنتے ہی طارق صاحب ذرا نرم پڑ گئے۔میں نے جب طارق صاحب کو گھائل ہوتے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔یہ مختصری نشست بڑے خوشگوار ماحول میں ختم ہوگئی۔باباجی بھی تشریف لے آئے تو پھر ہم سب بھائی واپس راولپنڈی روانہ ہوگئے اور سورج غروب ہونے تک مرکز پہنچ گئے۔چونکہ آج راولپنڈی کے حلقہ ذکر کا دن تھا۔اِس لئے حاضری کافی تھی۔نماز مغرب کے بعد ذکر شروع کرنے سے پہلے باباجی نے بھائیوں کو بتایا کہ ذکر میں ہر نیا آئیٹم شروع کرنے سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرو اور **لا الٰہ الا اللہ** کے ذکر کے اختتام پر بلند آواز سے **محمد الرسول اللہ** کہا کرو اور ذکر کرانے

والا جب دو دفعہ **لا الہ الا اللّٰہ** کہہ لے تو پھر سب اُس کی آواز کے ساتھ مل کر ذکر کیا کریں۔ ذکر تقریباً پونے سات بجے شروع ہوا اور پونے آٹھ بجے اختتام پذیر ہوا۔ بابا جی نے بھائیوں کے روحانی درجات، صحت اور تندرستی اور عالمِ اسلام و پاکستان کی سالمیت و بقا کی دُعا فرمائی۔ نماز عشاء کے بعد ماحاضر جسے بھائی اقبال احمد''جو کھانا پکانے میں کافی مہارت رکھتے ہیں'' اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا پیش کیا گیا۔ بہت ہی پر لطف اور لذیز کھانا تھا۔ بابا جی نے بھی اس کی تعریف کی اور اقبال صاحب کو شاباش دی۔ نماز عشاء کے بعد آج بھی بھائی لوگ بابا جی کے فرمودات سننے بیٹھ گئے ان میں اسلام آباد کے بھائی بھی تھے۔ بابا جی نے سامعین کو بتایا کہ روزمرہ کے ذکر میں کبھی کوتاہی نہ کرنا کیونکہ یہی وہ ذکر ہے جس سے سالک کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اُسے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ ہفتہ وار ذکر تو محض بھائیوں کے مل بیٹھنے اور ایک دوسرے کے حال احوال معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی سمجھے کہ ہفتہ وار ذکر سے اُسے روحانی ترقی یا قربِ الٰہی حاصل ہو جائے گا تو یہ اُس کی خام خیالی ہے۔ اپنے اپنے گھروں میں وقتِ مقررہ پر بلاناغہ ہر روز ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔ بابا جی نے یہ بھی فرمایا کہ ذکر کرنے والا اور ذکر نہ کرنے والا ایسا ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جو مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے میں بھی اُسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے فرشتوں کی محفل میں یاد کرتا ہوں کتنی بڑی سعادت ہے اُس شخص کیلئے جسے اللہ یاد کرے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے، میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کا ہمنشین ہوتا ہوں نیک صحبت ایسی ہوتی ہے جیسے عطار کی دوکان اگر عطر کوئی نہ بھی خریدے بیٹھنے سے بھی خوشبو آتی رہتی ہے اور بری صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے لوہار کی دوکان وہاں بیٹھنے سے یا تو کپڑے جل جائیں گے نہیں تو دھواں ناک اور آنکھوں میں پڑنے سے روحانی اور قلبی اذیت حاصل ہوگی۔ بڑی روحانی وجدانی محفل تھی بھائیوں نے بھی بڑے ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا لیکن کافی وقت گذر جانے پر اسلام آباد کے بھائیوں نے اجازت طلب کی بابا جی نے اسلام آباد والے بھائیوں کو حکم دیا کہ آئندہ وہ ہر مہینہ میں ایک ہفتہ جو بھی اُن کو موزوں ہو راولپنڈی کا حلقہ Attend کریں گے تاکہ بھائیوں کا آپس میں رابطہ قائم رہے۔ جاتے جاتے اسلام آباد کے خادمِ حلقہ جناب عبدالوحید صاحب نے بابا جی کو دوپہر کے

کھانے پر مدعو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق 25 اکتوبر دوپہر کا کھانا ایک سنئیر بھائی جناب محمد مخدوم صاحب کے ہاں سہالہ میں ان کے فارم پر تھا اس لئے وحید صاحب سے معذرت کی گئی لیکن وہ بھی پیچھے ہٹنے والے نہ تھے انہوں نے ناشتہ کی دعوت کا کارڈ پھینک دیا۔ ناشتہ بھی پروگرام کے مطابق Arrange کیا ہوا تھا اور وہ طارق صاحب نے اسلام آباد یا مری کے پر فضا مقام پر کرانا تھا طارق صاحب نے بابا جی کے ہر پروگرام میں ایک ناشتہ اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ گذشتہ سال بھی وہ بابا جی کو دامن کوہ کی سیر کراتے ہوئے مارگلہ کی سب سے اونچی چوٹی پیر سوہاوہ لے گئے تھے جہاں انہوں نے ایک دل کشا ریسٹورنٹ کے باہر لان میں ناشتہ کرایا تھا۔ طارق صاحب اگرچہ اپنی باری چھوڑنے والے نہ تھے تاہم وحید صاحب کے اصرار پر طارق صاحب با دل ناخواستہ اپنی باری وحید صاحب کو دینے پر رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرے سنئیر بھائی جناب محمد شریف چیمہ صاحب نے ہفتہ کی شام کا ذکر اور کھانے کیلئے آرچرڈ ریسٹورنٹ سترہ میل مری روڈ پر محفل منعقد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن ہفتہ کی مصروفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے چیمہ صاحب سے معذرت کرنی پڑی اور سب بھائیوں کو کہا گیا کہ آئندہ بابا جی کے آنے سے قبل سب بھائی مل بیٹھ کر بابا جی کی وزٹ کا پروگرام مرتب کریں گے تا کہ بھائیوں کی خواہشات کا احترام کیا جائے۔ تاہم چیمہ صاحب کے ہاں اتوار کے ناشتہ پر حاضری کا پروگرام طے پا گیا۔ رات چونکہ کافی بیت چکی تھی اس لئے محفل برخاست کرنی پڑی بابا جی بھی اپنے کمرہ میں آرام کرنے چلے گئے۔ دیگر بھائی بھی اپنے کمرہ میں آ گئے جہاں خواجہ ولی محمد صاحب بیٹھے اپنی آپ بیتیاں سنا رہے تھے۔ ولی محمد صاحب نے خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحب بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے ساتھ گذرا ہوا ایک واقعہ سنا کر بھائیوں کو محظوظ کیا۔ خواجہ ولی محمد صاحب نے واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا کہ "1975-76ء میں لاہور والے محمد علی صاحب مرحوم نے راولپنڈی صدر میں ایک ہوٹل خریدا۔ اِسکے افتتاح کیلئے علی صاحب نے بابا جی خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ صاحب کو مدعو کیا۔ بابا جی آئے ہوٹل کا افتتاح کیا اور چند روز اِدھر ہی ٹھہرے رہے۔ بھائیوں کی کافی تعداد نے اِس تقریب میں حصہ لیا۔ خوب محفلیں سجتی رہیں فیض کے دریا بہتے رہے اور بھائی اِس سے مستفیض ہوتے رہے۔ اِسی جنونی کیفیت میں ایک دن مجھے شوق چڑھا کہ بابا

جی کو اپنی دوکان پر آنے کی دعوت دوں ۔لیکن بابا جی کو دعوت دینے کی مجھ میں ہمت نہ تھی لہٰذا میں نے بابا جی کے سیکرٹری مرزا بشیر احمد کو کہا کہ وہ میری طرف سے بابا جی کو میری دوکان پر چند لمحوں کیلئے آنے کی درخواست کریں ۔مرزا بشیر صاحب نے حامی بھری اور کہا کہ کسی موزوں وقت پر درخواست پیش کی جائے گی ۔موقع پا کر مرزا صاحب نے بابا جی کو کہا کہ خواجہ ولی محمد زرگر آپ کو اپنی دوکان پر قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دیتا ہے ۔بابا جی کو غصہ آ گیا اور کہا میری جوتی جائے اُس کی دوکان پر میں نہیں جاتا ۔دوسرے دن میں پھر حاضر ہوا مرزا صاحب نے بتایا کہ بابا نے کہا ہے کہ میری جوتی جائے اُس کی دوکان پر ۔ میں نے واپس آ کر بازار بابا جی کے ناپ کا ایک خوبصورت جوتا خریدا۔کپڑے میں لپیٹ کر بغل میں رکھا اور بابا کی طرف روانہ ہو گیا موقع پاتے ہی میں نے بابا جی کی دونوں جوتیاں اُسی کپڑے میں لپیٹیں نئی جوتیاں وہاں رکھیں اور چپکے سے بابا جی کی جوتیاں سمیت بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔سیدھا دوکان پر آیا اور دونوں جوتیاں سیف میں رکھ دیں تھوڑی دیر کے بعد جب بابا جی کو اپنی جوتیوں کی ضرورت پڑی تو جوتیاں نہ مل سکیں بابا جی نے کہا کہ کوئی میری جوتیاں چرا کر لے گیا ۔مرزا صاحب بابا جی کے پاس حاضر ہوئے اور کہا بابا جی کل آپ نے فرمایا تھا کہ ولی محمد کی دوکان پر میری جوتی جائے گی یہ کارستانی اُسی کی دیکھائی دیتی ہے وہ آپ کی جوتیاں لے گیا ہے اور اُن کی جگہ نئی جوتیاں رکھ گیا ہے بابا جی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا بڑا اچا لاک ہے ۔وہ جوتیاں اب بھی میرے پاس سیف میں رکھی ہوئی ہیں کبھی کبھی نکال کر دیکھ لیتا ہوں اور دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہوں۔کبھی کبھی کسی بھائی کو بھی ان کا دیدار کرا دیتا ہوں۔ایک دفعہ کراچی والے تجمل مرحوم دوکان پر تشریف لائے بابا جی انصاری صاحب کی جوتیوں کی بات چل نکلی میں نے جوتیاں سیف سے نکالیں تو تجمل صاحب انہیں اپنے سینے سے لگا کر زار و قطار رونے لگے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے جوتیاں واپس کیں جنہیں میں نے دوبارہ سیف میں رکھ دیا''۔چونکہ وقت کافی گذر چکا تھا گھڑی کی سوئیاں بھی یک جان دو قالب ہو چکی تھیں اِس لئے بھائی لوگ بابا انصاریؒ صاحب کی یاد لئے بستروں پر دراز ہو گئے ۔

آج 25 اکتوبر ہفتہ کا دن ہے ۔آج ناشتہ عبدالوحید صاحب کے ہاں اسلام آباد میں اور دوپہر کا کھانا سہالہ میں محمد مخدوم صاحب کے ہاں ہوگا اِس لئے صبح کی نماز کے بعد ہی تیاریاں

شروع ہو گئیں بابا جی اور اد و اروا ذکار سے فارغ ہو کر باہر تشریف لے آئے طارق بھائی بھی گاڑی لا کر حاضر ہو گئے ۔ پھر یہ مختصر سا قافلہ اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گیا ۔کوئی 9 بجے کے قریب ہم لوگ عبدا لوحید صاحب کے دولت خانہ پر پہنچ گئے اُنہوں نے بڑی گرم جوشی سے بابا جی اور دوسرے بھائیوں کا استقبال کیا اور اندر لے گئے ۔تھوڑی سی گپ شپ کے بعد ناشتہ سجایا گیا۔ ناشتہ میں رکھی ہوئی اشیاء نہایت دل کشی کا سماں پیدا کر رہی تھیں حلوہ کی تو بات ہی نرالی تھی جو میوؤں اور گریوں سے مزین کیا گیا تھا آلو کی بھجیا کا اپنا ہی ایک رنگ تھا سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں سب کچھ ہی کھا جانے کو جی چاہتا تھا طارق صاحب تو آج بھی بس چکھتے ہی رہ گئے ۔چائے بھی لاجواب تھی ہر چیز میں وحید صاحب کا خلوص اور پیار نمایاں ہو رہا تھا۔ چائے کے بعد محفل وقت کی کمی کی وجہ سے جلد ہی برخاست کرنی پڑی کیونکہ بابا جی نے ایک بزرگ اور محترم بھائی جناب محمد مرتضیٰ صاحب ”جو اسلام آباد ہی میں سکونت پذیر ہیں“ ۔کو دیکھنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔لہٰذا عبدا لوحید صاحب سے رُخصت لیکر یہ قافلہ محمد مرتضیٰ صاحب کی طرف روانہ ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اسلام آباد کی کشادہ اور پرفضا سڑکوں پر ڈرائیو کرتا ہوا مرتضیٰ صاحب کے پاس پہنچ گیا ۔صاحب موصوف نے بابا جی کو دیکھتے ہی ایک بلند نعرہ لگایا اور وارفتگی کے عالم میں بابا جی سے بغلگیر ہو گئے پھر سب بھائیوں سے مل کر بہت خوش ہوئے ۔بابا جی نے اِن کی خیریت پوچھی اُنہوں نے بھی بابا جی کا حال احوال دریافت کیا۔تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد مرتضیٰ صاحب سے رُخصت طلب کی گئی کیونکہ اِس کے بعد اس قافلہ نے آگے سہالہ جانا تھا۔کوئی ایک بجے کے قریب ہم لوگ سہالہ پہنچ گئے جہاں کافی تعداد میں بھائی موجود تھے اور کوئی ابھی بھی آ رہے تھے ۔جناب محمد مخدوم صاحب نے فارم کے سنٹر میں ایک خوشنما گھر بنا رکھا ہے جسے خوبصورت درختوں کے جھرمٹ نے مزید دلکش بنایا ہوا ہے ۔باہر ایک خوبصورت لان اور فارم کے کنارے ایک شیڈ بھی بنا ہوا ہے جہاں کچھ عرصہ پہلے مخدوم صاحب نے ایک پولٹری فارم بنایا تھا۔لیکن اِس کام میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہو سکا ۔کیونکہ چوزے اور مرغیاں بیمار ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے ۔یہ شیڈ آج کل مخدوم صاحب نے کرایہ پر دے رکھا ہے ۔بھائی لوگ کافی تعداد میں راولپنڈی اسلام آباد سے پہنچ چکے تھے اِس لئے پروگرام کے مطابق مختصر سا ذکر کیا گیا۔

بابا جی نے دعا فرمائی اور نماز ظہر ادا کر کے بھائی لوگ ابھی سنبھلے بھی نہ تھے کہ مخدوم صاحب نے کھانے کی گھنٹی بجادی۔ پھر وہی مرغوں کی بانگیں اور مرغیوں کی کڑکوں ڈونگوں کے اوپر ڈو نگے چلنے لگے۔ طارق صاحب چکھتے چکھتے پھر بول پڑے کہ یہ تو بہت زیادتی ہے بابا جی نے فرمایا اللہ کی نعمتیں ہیں ان سے منہ موڑنا جائز نہیں۔ پھر کیا تھا کہ مرغ خاموش ہو گئے اور مرغیاں طارق صاحب کو دیکھ کر سہم گئیں۔ کھانے کے بعد مخدوم صاحب نے اپنے فارم کا فروٹ جس میں مالٹے اور انگور تھے پیش کیا۔ کیا سماں تھا واقعی جنگل میں منگل بنا ہوا تھا۔ واپسی کا وقت ہو چکا تھا اِسی لئے بابا جی نے اختتامی دعا فرمائی اور یہ قافلہ واپس مرکز کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ میں چیمہ صاحب نے اپنے فارم پر جہاں انہوں نے پریس اور کچھ دوسری مشینری لگا رکھی ہے، بھائیوں کی لائٹ ریفریشمنٹ سے تواضع فرمائی۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کارواں بھی مرکز پہنچ گیا۔
آج بھی اللہ کے فضل سے حاضری کافی تھی۔ بھائیوں نے بڑی ہمت سے کام لیا تھکاوٹ کے باوجود بھائیوں میں جوش اور ولولہ نمایاں تھا۔ نماز مغرب کے بعد ذکر کی محفل سجائی گئی۔ سارے دن کی مصروفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ذکر ذرہ مختصر کیا گیا۔ نماز عشاء اور کھانے کے بعد یہ شام پروگرام کی آخری شام تھی۔ بھائیوں کی خواہش تھی کہ بابا جی بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں لطف اندوز ہوتے رہیں اور یہ محفل دیر تک جاری رہے۔ آج بابا جی نے اور بہت ساری پیاری پیاری باتوں کے ساتھ ساتھ نماز کی بنیادی باتوں کے بارے میں بھائیوں کو آگاہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ جب نماز پڑھنے لگو تو ہر چیز سے کٹ کر اللہ سے رابطہ قائم کرو۔ رکوع، سجود، قیام کا خوب خیال رکھو پورے دھیان اور حاضری کے ساتھ نماز ادا کرو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ افسوس ہے ایسے نمازیوں پر جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، غافل ہونے کا مطلب یہی ہے کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو انہیں اپنے کاموں، اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اور پھر اُسی میں ڈوب جاتے ہیں۔ زباں سے تو پڑھتے ہیں لیکن دل و دماغ کہیں اور ہوتا ہے اور یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پڑھا ہے اور کتنا پڑھا ہے ایسی نمازیں قبولیت کا درجہ نہیں رکھتیں بلکہ اللہ کی ناراضگی اور غضب کا سبب بنتی ہیں۔ بابا جی نے سب حاضرین کو تلقین کی کہ جب بھی نماز کیلئے کھڑے ہوں تو خیالات کو نفی کر کے یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کرو۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب تم پاس انفاس

کثرت سے کرو گے۔ جب اللہ دل و دماغ میں بس جائے گا پھر سارے کام ٹھیک ہونے شروع ہو جائیں گے۔ بابا جی کی دن کی مصروفیات اور تھکاوٹ کا خیال کرتے ہوئے بھائیوں کو محفل برخاست کرنے اور بابا جی کو آرام کرنے کی درخواست کی۔ بھائیوں کو یہ بتایا گیا کہ کل صبح 26 اکتوبر صبح کی نماز کے بعد مرکز پر حاضری دیں جہاں سے ناشتہ کیلئے چیمہ صاحب کے ہاں سترہ میل جانا ہو گا۔ بابا جی آرام کرنے اپنے کمرہ میں چلے گئے دوسرے بھائی بھی اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ آج شام دو بھائی طارق صاحب اور افضال احمد صاحب بابا جی کو واپس لے جانے کیلئے گوجرانوالہ سے گاڑی لے کر یہاں پہنچ چکے تھے۔ ان دونوں صاحبان اور علی رضا صاحب کو اِدھر کے طارق صاحب اپنی گاڑی میں اپنے دولت خانہ پر آرام کرنے لے گئے۔ اب آگے کی خبر نہیں کہ طارق صاحب نے ان نووارد بھائیوں سے کیا سلوک کیا اور انہوں نے رات کیسے بسر کی طارق صاحب قوالی کے رسیا ہیں وقت بے وقت کی قوالی ان کا مشغلہ ہے۔ سارے جہاں کے قوالوں کی کیسٹیں ان کے پاس ہیں اور ہر قوال کا بائیو ڈیٹا بھی خوب جانتے ہیں۔ ان کی گاڑی میں بھی دو تین درجن قوالی کی کیسٹیں پڑی رہتی ہیں جن میں فارسی کا کلام بھی موجود ہے۔ بس یہ ان کی چاہت ہے کہ خود بھی سنتے ہیں دوسروں کو سناتے ہیں مجھے اُمید ہے انہوں نے مہمانوں کو قوالی ہی سے نوازا ہو گا۔

آج 26 ۔ اکتوبر بروز اتوار بابا جی کی واپسی ہے۔ پروگرام کے مطابق صبح سویرے ہی بڑی تعداد میں بھائی لوگ مرکز پہنچ گئے۔ جن کے پاس گاڑیاں تھیں وہ گاڑیاں لے آئے طارق صاحب بھی گوجرانوالہ والے بھائیوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ چیمہ صاحب نے بھی ایک گاڑی بھیج دی۔ اللہ کے فضل سے بھائیوں کی تعداد کے مطابق گاڑیوں کا بندوبست بھی ہو گیا۔ بابا جی اُسی گاڑی میں بیٹھے جو اُنہیں لینے کیلئے لاہور سے طارق صاحب اور احمد رضا صاحب لائے تھے۔ دوسرے سب بھائی بھی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ اب یہ کارواں چیمہ صاحب کی طرف سترہ میل آرچرڈ ریسٹورنٹ کی طرف چل پڑا۔ مری روڈ پر بھارہ کہو کے مقام سے گذرتا ہوا یہ قافلہ تقریباً دس بجے آرچرڈ ریسٹورنٹ پہنچ گیا۔ چیمہ صاحب کے صاحبزادے اور دیگر احباب نے بابا جی کا استقبال کیا۔ کیا خوبصورت مقام ہے مری کی دو رویہ سڑکوں کے عین وسط میں واقعہ یہ ریسٹورنٹ

اور اس کے اردگرد کے کوہسار و سبزہ زار عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کھڑے کھڑے سب بھائی لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر چیمہ صاحب بابا جی اور دیگر بھائیوں کے بیٹھنے اور ناشتہ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ویٹر صاحبان نے اپنے مخصوص انداز میں ٹیبلوں کو خوبصورت کھانوں سے مزین کر دیا جن میں حلوہ اور روغنی نان کچھ زیادہ ہی دلکشی پیدا کر رہے تھے۔ اسے صرف ناشتہ کہنا بے انصافی ہوگی بلکہ ناشتہ +لنچ کہنا موزوں ہوگا۔ طارق صاحب نے ایک طائرانہ نگاہ ٹیبل پر ڈالی حلوہ والا ڈونگا اپنی طرف سرکایا اور پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ مرغوں کی چیخ و پکار تھم گئی روغنی نانوں کا صفایا ہوگیا تو چائے کا دور شروع ہوا۔ چیمہ صاحب نے ایک بار پھر اپنے گھر پر ذکر کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چونکہ وقت کافی گذر چکا تھا اِس لئے بابا جی نے معذرت کی اور اختتامی دعا کے ساتھ یہ سہ روزہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ سب بھائی بابا جی کے ساتھ چلتے چلتے باہر نکل آئے جہاں بابا جی باری باری سب بھائیوں سے ملے ڈھیروں دُعائیں دیں اور گاڑی میں بیٹھ گئے دوسرے مہمان بھائی بھی بھائیوں سے مل ملا کر بابا جی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے بھائی احمد رضا صاحب نے گاڑی سٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ باہر سڑک کی طرف چل پڑے اور یہ بھائی بابا جی کو لے کر گوجرانوالہ روانہ ہوگئے تھوڑی دور تک بھائیوں کی نگاہیں بابا جی کا پیچھا کرتی رہیں لیکن پھر جلد ہی یہ گاڑی اسلام آباد کے سبزہ زاروں اور کہساروں میں غائب ہوگئی۔

اِدھر ہم لوگوں نے چیمہ صاحب کے ہاں ذکر کرنے کا پروگرام بنالیا جسکی پیشگی اجازت بابا جی سے حاصل کر لی تھی۔ اب یہ اللہ والوں کا کارواں چیمہ صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوا جو کہیں قریب ہی تھا تھوڑی ہی دیر کے بعد منزل پر پہنچ گئے۔ اسلام آباد کے حلقہ کے خادم جناب عبدالوحید صاحب نے ذکر کرایا۔ یہ ذکر اگرچہ مختصر تھا مگر بڑا جامع اور پر اثر تھا۔ بھائی عتیق عباسی صاحب نے دُعا فرمائی۔ چیمہ صاحب کے صاحبزادہ نے ایک خوش ذائقہ جوس سے بھائیوں کی تواضع فرمائی۔ اب یہ کارواں دل میں بابا جی کے تین روزہ پروگرام کی یادیں بسائے ہوئے اپنی اپنی منزلوں کو روانہ ہوگیا۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور بابا جی کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین!

حضرت سُراقہؓ بن جعشم مدلجی

﴿ طالب الهاشمی ﴾

رحمت عالم ﷺ نے غزوہ حنین وطائف (۸ھ) سے فارغ ہونے کے بعد چند دن جعرانہ کے مقام پر قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کو مراجعت فرمائی۔ اِسی زمانے میں چوڑے چکلے ہاڑ کے ایک قوی ہیکل اعرابی مدینہ منورہ میں وارد ہوئے۔ یہ صاحب تازہ تازہ سعادت اندوزِ اسلام ہوئے تھے۔ اور اب اپنی گزشتہ زندگی کی تلافی کرنے کیلئے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے فیوض و برکات سے مقدور بھر متمتع ہونا چاہتے تھے چنانچہ اِن کے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہِ رسالتؐ میں گزرتا تھا اور وہ اکثر حضورؐ سے دینی مسائل پوچھتے رہتے تھے۔ سرورِ عالم ﷺ بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا:۔

''جانتے ہو دوزخیوں اور جنتیوں کی کیا پہچان ہے؟''

اُنہوں نے عرض فرمایا: ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپ ہی ارشاد فرمایئے''۔

ہادیِ کونینؐ نے فرمایا: ''دوزخی وہ ہے جو متکبر، درشت مزاج اور اکڑ کر چلنے والا ہو اور جنتی وہ (صاحب ایمان) ہے جو ضعیف درماندہ اور زیر دست ہو''۔

ایک اور موقع پر اُن صاحب نے حضورؐ سے دریافت کیا ''یا رسول اللہؐ میں نے اپنے اونٹ کیلئے ایک حوض میں پانی بھرا ہوا ور کوئی بھٹکا ہوا اونٹ میرے حوض پر آجائے تو کیا اس بھٹکے ہوئے اونٹ کو پانی پلانے سے مجھے کوئی اجر ملے گا''۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''کیوں نہیں کسی بھی ذی روح کو پانی پلانا ثواب کا باعث ہے''۔ غرض اِن صاحب نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ آفتابِ رسالتؐ اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں مستور ہوگیا۔۔۔ یہ صاحبؓ رسولؐ جن کے دل میں تعلیم دین کے حصول کی اس قدر تڑپ تھی اور جن کو سرورِ عالم ﷺ غیر معمولی لطف وکرم سے نوازتے تھے، حضرت سراقہؓ بن جُعشم مُدلجی تھے۔

حضرت سراقہؓ بن جُعشم تاریخ اسلام کی ایک نامور شخصیت ہیں۔ ان کے والد کا نام مالک اور

دادا کا نام جُعشُم تھا، چونکہ عرب میں باپ کے بجائے دادا کی طرف ابنیت کے منسوب کرنے کا رواج بھی پایا جاتا تھا اس لئے اہل سیر نے ان کا نام سراقہؓ بن مالک اور سراقہ بن جُعشُم دونوں لکھا ہے۔ خود حضرت سراقہؓ سے جو روایات مروی ہیں۔ ان میں انہوں نے اپنے آپ کو سُراقہؓ بن جُعشُم ہی کہا ہے۔ حضرت سراقہؓ کی کنیت ابوسفیان تھی اور ان کا تعلق کنانہ کی شاخ بنو مُدلج سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:۔

سراقہؓ بن مالک بن جُعشُم بن مالک بن عمرو بن تیم بن مدلج بن مرہ بن عبد مناۃ بن علی بن کنانہ۔

بنو مُدلج کا علاقہ مکہ اور مدینہ کے راستے میں قدید کے قریب واقع تھا۔ سُراقہؓ اپنے قبیلے کے رئیس اور بڑے قد کاٹھ کے آدمی تھے۔ شعرو شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور ان کی شجاعت اور شہسواری کی دُور دُور تک دھوم مچی ہوئی تھی۔ بنو مُدلج سخت بت پرست تھے اور انہوں نے ''لات'' کو اپنا معبود اعظم بنا رکھا تھا۔ رحمت عالمﷺ تیرہ برس تک اہل مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل کو توحید کی دعوت دیتے رہے، لیکن اس طویل عرصے میں بہت کم لوگوں کو قبول حق کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس دوران میں حضورؐ عرب میں ''صاحب قریش'' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ بنو مُدلج کو بھی حضورؐ کی بعثت کا حال معلوم ہو چکا تھا اور ان کے کان آپؐ کی دعوت سے بھی آشنا ہو چکے تھے، لیکن اُنہوں نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنا گوارا نہ کیا اور بدستور کفرو شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔

۱۴ھ بعد بعثت میں سرورِ عالمﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ کی معیت میں سفر ہجرت کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھیں پٹم کر دیں اور حضورؐ ان کے درمیان سے نکل کر عازم مدینہ ہو گئے۔ کفار مکہ کو آپؐ کی ہجرت کا علم ہوا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئے اور اُنہوں نے آپؐ کی تلاش میں دن رات ایک کر دیئے۔ جب وہ اپنی سعی و جستجو میں بالکل ناکام ہو گئے تو اُنہوں نے مکہ سے مدینہ تک ہر معروف اور غیر معروف راستے اور ان پر آباد بستیوں میں منادی کرا دی کہ:۔

''جو شخص محمد (ﷺ) اور ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو زندہ گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دے یا انہیں قتل کر کے ہمارا اطمینان کر دے تو اسے ان میں سے ہر ایک کی پوری دیت دی جائے گی''۔ (یعنی سو۱۰۰، سو۱۰۰ اشتر انعام میں دیئے جائیں گے)۔ (صحیح بخاری ج ا باب ہجرۃ النبی)

قریش مکہ کے قاصدوں نے بنو مُدلج تک بھی یہ اعلان پہنچا دیا۔اس کے بعد سراقہؓ اپنے قبیلے بنو مُدلج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص بھاگا بھاگا آیا اور ان سے کہا، ابھی میں نے ساحل بحر کی طرف کچھ سائے دیکھے ہیں۔میرا گمان یہ ہے کہ وہ محمد (ﷺ) کے ساتھی ہیں۔ سُراقہؓ بڑے ذہین وفریس آدمی تھے وہ سمجھ گئے کہ اس آدمی کا گمان درست ہے، تاہم انہوں نے مصلحتاً اس شخص کے بیان کی تصدیق نہ کی بلکہ یہ کہہ کر تردید کر دی کہ یہ فلاں فلاں آدمی ہوں گے جو کچھ دیر پہلے ہمارے سامنے سے گزر کر گئے ہیں۔اس تردید کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے قبیلے کے کسی دوسرے آدمی کو شریک کیے بغیر اکیلے ہی انعام حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد گھر گئے۔ ہتھیار سجائے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر خاموشی کے ساتھ گھر کی پچھلی جانب سے ساحل بحر کی طرف روانہ ہو گئے۔ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی قابل اعتماد لونڈی سے کہا کہ میرا گھوڑا تیار کر کے اور ترکش باندھ کر فلاں مقام پر لے چلو پھر نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے اور لونڈی سے گھوڑا لے کر حضور ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔بیان کیا جاتا ہے۔کہ اس وقت حضورؐ رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحل بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے۔سُراقہ گھوڑا اُڑاتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ بے تاب ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی، ''یا رسول اللہ دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا''۔حضور ﷺ نے فرمایا، ''غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے'' اتنے میں سُراقہؓ حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔اس وقت یکا یک ان کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ نیچے گر پڑے۔اُنہوں نے اپنے ترکش سے ازلام (تفاول میں کام آنے والے تیر) نکالے اور فال دیکھی تو وہ ان کی خواہش کے خلاف نکلی، تاہم انہوں نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر حضورؐ کے پیچھے روانہ ہوئے اور اس قدر قریب پہنچ گئے کہ حضورؐ کی تلاوت کی آواز انکے کانوں میں پہنچنے لگی۔خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ اب یک لخت ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں رانوں تک دھنس گئے اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔حضرت براءؓ بن عازب نے خود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ روایت کی ہے کہ اس وقت ہم سخت زمین سے گزر رہے تھے، میں نے حضورؐ کی خدمت میں التماس کی، یا رسول اللہ ﷺ ہمارا تعاقب کرنے والا ہمارے بہت قریب آ پہنچا ہے۔اس پر حضورؐ نے بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی اور سراقہ کا

گھوڑا زمین میں پیٹ تک گھس گیا۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے یہ دعا کی کہ الٰہی اسے گرا دے۔ دوبارہ گرنے کے بعد سراقہ نے پھر فال نکالی اور اب بھی وہ ان کی خواہش کے خلاف تھی۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ گھوڑے کے پاؤں زمین سے باہر نکل آئیں، لیکن ناکام رہے آخر نا اُمید ہو کر پکارے، "یا محمدؐ! مجھ پر جو کچھ بیتی ہے اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں، آپ دعا کریں کہ میرا گھوڑا زمین سے نکل آئے خدا کی قسم مجھ سے آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔ رحمتِ عالمﷺ کو ان پر رحم آ گیا اور آپؐ نے دستِ دعا بلند کر دیئے معاً گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکل آئے۔ اب سُراقہ نے آواز دی کہ میں سُراقہ بن جُعشم ہوں اور آپؐ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، خدا کی قسم میں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گا اور نہ کوئی ایسی بات کروں گا جسے آپؐ ناپسند کریں گے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر حضورؐ کو بتایا کہ قریش کہ نے آپ کیلئے دیت کا اعلان کیا ہے اور لوگ انعام کے لالچ میں آپکی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ آپ میرا یہ تیر بطور نشان لیتے جایئے، فلاں مقام پر آپ کو کچھ غلام ملیں گے جو میرے اونٹ چرا رہے ہوں گے ان میں سے جتنے غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو اپنے ساتھ لیتے جایئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سُراقہؓ نے حضورؐ کو زادِ راہ اور سامان کی پیش کش کی، لیکن آپؐ نے فرمایا ہمیں کسی چیز کی حاجت نہیں البتہ تم ہماری اطلاع کسی کو نہ دو۔ حضرت سراقہؓ نے قسم کھا کر کہا کہ میں دشمنوں کی جستجو کو آپ کی طرف سے پھیر دوں گا۔ پھر انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مجھے ایک امان نامہ عطا فرمایئے جو بطور نشانی میرے پاس رہے۔ حضورؐ نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور بہ روایت دیگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ اس کو امان نامہ دے دو۔ انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ کر ان کی طرف ڈال دیا۔ سُراقہؓ نے اس امان نامہ کو اپنے توشہ دان میں رکھ لیا اور واپس چل پڑے۔ راستے میں اُن کو جو شخص حضورؐ کی تلاش میں آتا دکھائی دیتا، اس سے کہتے، واپس جاؤ۔ میں ہر طرف سے دیکھ بھال کر آیا ہوں وہ اُدھر نہیں ہیں، تم سب لوگ جانتے ہوں کہ تیزی نظر اور سراغ لگانے میں مجھ سے بڑھ کر اس علاقے میں اور کوئی نہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سراقہؓ اپنی خداداد فراست سے جان گئے تھے کہ حضورؐ اللہ کی رسول ہیں اور ایک دن ضرور غالب آئیں گے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر حضورؐ سے امان نامہ حاصل کر لیا۔ اس واقعہ کے بارے میں حضرت انسؓ بن

مالک سے جو روایت منقول ہے اس میں حضرت سراقہؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں کہ "اے اللہ کے نبیؐ آپ جو چاہیں مجھے اس کا حکم دیں"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا، تم اپنی جگہ ٹھہرو اور کسی کو ہم تک نہ پہنچنے دو، چنانچہ انہوں نے آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی"۔

حضرت سراقہؓ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن حارث (بن مالک بن جعشم) نے یہ واقعہ قدرے مختلف انداز میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

"سُراقہ بدن پر ہتھیار سجائے، سر پر خود پہنے، نیزہ تانے اپنی گھوڑی (عوذ) پر رسول اللہؐ کے تعاقب کیلئے روانہ ہوئے۔ جب حضورؐ پر نظر پڑی تو سمجھے کامیاب ہوگیا۔ یکا یک گھوڑی گھٹنوں کے بل گری سُراقہ بھی گرے، پھر اُٹھے، گھوڑی کو اُٹھا کر سوار ہوئے، رسول اللہ ﷺ قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے اطمینان سے جارہے تھے کہ آپؐ کو دشمن کے قریب پہنچنے کی اطلاع کی گئی۔ آپؐ نے دُعا کی، خدایا ہمیں اس کے شر سے بچا۔ معاً گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ گر پڑے اور سمجھ گئے کہ جسکی اللہ حفاظت کر رہا ہو اس پر غالب آنا محال ہے۔ انہوں نے بڑی عاجزی سے امان مانگی جو ان کو مل گئی۔ اب انہوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا، اب میں ہر تعاقب کرنے والے کو پیچھے ہی روک لوں گا۔ پھر ان کی درخواست پر حضورؐ نے حضرت عامرؓ بن فُہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے امان نامہ لکھ کر سراقہؓ کے حوالے کر دیا"۔ (صحیح بخاری)

اس واقعہ کے چند روز بعد سُراقہؓ مکہ گئے تو ابوجہل سے ملاقات ہوگئی اس کو علم ہو چکا تھا کہ سراقہؓ نے دانستہ رسول اکرمؐ کو چھوڑ دیا، چنانچہ اس نے شکوہ و شکایت کے دفتر کھول دیئے۔ حضرت سراقہؓ نے ابوجہل کی شکایتوں کا جواب ان اشعار میں دیا۔ (ترجمہ)

"اے ابوالحکم (ابوجہل) کاش تم میرے گھوڑے کی حالت دیکھتے کہ کس طرح اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں تو تم کو تعجب ہوتا اور تم کو اس میں کوئی شک نہ رہتا کہ محمدؐ نبی اور نشانِ ہدایت ہیں۔ پھر کون ہے جو ان کی حالت کو مخفی اور مستور کر سکے تمہاری قوم کو چاہیے کہ ان سے تعرض نہ کرے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے غلبہ اور عروج کے آثار جلد ہی سب دنیا پر ظاہر ہونے لگیں گے"۔

ہجرت نبوی کے موقعہ پر حضرت سراقہؓ پر جو کچھ بیتی اس کی بناء پر انہیں سرور عالم ﷺ کی صداقت کا یقین ہو گیا تھا لیکن معلوم نہیں کیا موانع پیش آئے کہ وہ پورے آٹھ برس تک دربارِ

نبوت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ ۸ھ میں مکہ پر پرچم اسلام بلند ہوا اور اس کی خبر عرب کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور دشمنانِ حق پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ایک روایت کے مطابق فتح مکہ کے بعد جب حضورؐ بیت اللہ میں تشریف فرما تھے اور ایک دوسری روایت کے مطابق آپؐ حنین اور طائف کے معرکوں سے فارغ ہو کر چند دن کیلئے جعرانہ ٹھہر گئے تھے، سراقہؓ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضورؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور آپؐ کے گرد چند انصاری جاںنثار کھڑے تھے، انہوں نے سراقہؓ کو حضورؐ کی جانب بڑھتے دیکھا تو ٹوکا کہ کدھر جا رہے ہو؟ سراقہؓ نے وہی امان نامہ جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر حاصل کیا تھا، ہاتھ میں لے کر بلند کیا اور گزارش کی: ''اے اللہ کے رسولؐ، میں سراقہ بن جُعشم ہوں اور یہ آپ کا عطا کیا ہوا امان نامہ ہے''۔

حضورﷺ نے فرمایا: ''آج ایفائے عہد اور عفو عام کا دن ہے قریب آجاؤ''۔ سراقہؓ حضورؐ کے قریب گئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت سراقہؓ کی کلائیوں میں گنجان بال تھے۔ حضورؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ''سراقہؓ اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب تم اپنی ان گچھے دار بالوں سے اٹی ہوئی کلائیوں میں کسریٰ کے کنگن پہنو گے''۔

قبولِ اسلام کے بعد سراقہؓ زیادہ تر مدینہ میں رہے اور فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ اس دوران میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے اس غزوے میں حضورؐ کی ہم رکابی کا شرف ضرور حاصل کیا ہوگا۔ اس کے بعد حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں حضورؐ عسفان کے مقام پر پہنچے تو حضرت سراقہؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا:۔

''یارسول اللہ ہم کو اس نوزائیدہ قوم کی طرح تعلیم دیجئے جو گویا ابھی ظہور میں آئی ہے، کیا ہمارا یہ عمرہ اسی سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے''۔

حضورؐ نے فرمایا، ''نہیں ہمیشہ کیلئے''۔

سرورِ عالمﷺ کے وصال کے بعد حضرت سراقہؓ کہاں اور کس حال میں رہے؟ کتب سیر اس کے بارے میں خاموش ہیں، البتہ بہت سے اربابِ سیر نے یہ واقعہ تواتر کے ساتھ بیان کیا

ہے کہ چند سال بعد حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ایران کا دارُالسلطنت مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو اس میں کسریٰ کا تاج، زیور، لباس اور دوسرے شاہی لوازمات بھی تھے۔ یہ سب چیزیں مالِ غنیمت کے اس حصے میں شامل کر دی گئیں جو بارگاہِ خلافت میں بھیجی گئیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں بیان کیا ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم ہونے لگا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سراقہؓ کو بلا کر کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور شاہی کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنا کر شاہی پٹکا ان کی کمر میں باندھا۔ امام سہیلیؒ نے ''روض الانف'' میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سراقہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اے سراقہؓ ہاتھ اُٹھاؤ اور کہو کہ حمد اس اللہ کی جس نے یہ چیزیں اس کسریٰ بن ہُرمُز سے چھین لیں جس کا دعویٰ تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور انہیں بنو مُدلج کے ایک اعرابی سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیا''۔

حافظ ابن قیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سراقہؓ کو کسریٰ کے کنگن پہنا کر فرمایا: ''اے سراقہؓ اس غنیمت میں یہ کنگن تمہارے حصے میں آئے ہیں''۔

محمد حسین ہیکل مصری نے اپنی کتاب ''عمر فاروق اعظم'' میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

''سراقہؓ بن جعشم جن کا ہاڑ عرب میں مشہور تھا، بلائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا، کسریٰ کا لباس انہیں پہنایا جائے۔ جب وہ لباس پہن کر، ہتھیار سجا کر اور تاج سر پر رکھ کر کھڑے ہوئے تو فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا، پیچھے ہٹو! وہ پیچھے ہٹ گئے۔ پھر فرمایا، آگے بڑھو اور وہ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا، اللہ اللہ! بنو مُدلج کا ایک اعرابی اور اس کے جسم پر کسریٰ کا یہ ملبوس! اے سراقہؓ بن مالک! ایسے دن کب کب آتے ہیں کہ تیرے جسم پر کسریٰ اور آلِ کسریٰ کا یہ پرتکلف شاہانہ لباس تیرے اور تیری قوم کے لئے مجد و شرف کا سبب بنے''۔

حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق حضرت سراقہؓ بن جعشم نے ۲۴ھ میں وفات پائی۔ یہ حضرت عثمانؓ کا عہدِ خلافت تھا۔ ان سے اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ!

مکافاتِ عمل

﴿تحریر: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق﴾

شادیوں میں غیر اسلامی حرکتوں کا وبال

علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے کامران بلاک میں میرے ایک عزیز دوست رہتے ہیں۔ بنک آفیسر ہیں اور اخلاص و محبت کے پیکر۔ ایک دن دوران گفتگو ہم اس امر پر تشویش کا اظہار کر رہے تھے کہ موجودہ حالات میں بچیوں کے رشتوں کا بڑا بحران ہے اور اچھے رشتے بہت کمیاب ہیں۔ اس پر موصوف محترم نے بتایا کہ رشتوں کا بحران تو ہے ہی، لیکن انتہائی تشویش کی بات یہ ہے کہ جو رشتے ہو رہے ہیں، وہ محفوظ نہیں رہتے اور اکثر و بیشتر طلاق پر منتج ہو رہے ہیں، انہوں نے بتایا کہ گزشتہ چند سالوں میں اُن کی گلی میں آٹھ دس بچیوں کی شادیاں ہوئی ہیں اور اُن میں سے تین کے سوا سب کو طلاق ہو گئی ہے۔ حیرت انگیز اور عبرت ناک بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر شادیاں قریبی رشتے داروں میں ہوئی تھیں۔

میں یہ تو نہیں جانتا کہ متذکرہ شادیاں کیوں ناکام ہوئیں نہ میں ان کی وجوہ معلوم کر سکا ہوں، لیکن کئی مثالوں کی روشنی میں یہ گمان رکھتا ہوں کہ جن شادیوں میں نمائش اور اسراف کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بے پردگی اور ناچ گانے کے کلچر کو اختیار کیا جاتا ہے، وہاں لازماً اللہ کی ناراضگی طاری ہو جاتی ہے اور معاملات سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ میرے مشاہدے میں اس طرح کے کئی زندہ واقعات ہیں جو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ نام میں نے سب کے تبدیل کر دیے ہیں۔

(1) ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب میرے کلاس فیلو اور دوست ہیں۔ 1967ء میں ڈھاکا سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد انہیں سعودی عرب میں ملازمت مل گئی اور وہ کئی سال تک وہاں کسی شہزادے کے ذاتی معالج کی حیثیت سے متعین رہے۔ چنانچہ انہوں نے خوب دولت کمائی لیکن بالآخر 83-1982ء میں وہ واپس وطن آ گئے اور لاہور میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے ایک معروف بستی میں مکان خرید لیا، قریب ہی ذاتی ہسپتال بنا لیا اور اس طرح آسودگی

کی زندگی بسر کرنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔اُنہوں نے بڑی بیٹی کی شادی اپنی بیگم کے سگے بھتیجے سے 1985ء میں کی۔دولہا میاں نے مطالبہ کیا کہ اُس کی بارات ہلٹن ہوٹل میں اُترے گی۔ چنانچہ وزیرآباد سے تین سو باراتیوں کی فوج ظفر موج ہلٹن میں وارد ہوئی۔ڈاکٹر صاحب نے مجھے بھی مع خاندان شمولیت کی دعوت دی تھی۔

میں نے مختلف ہوٹلوں میں شادی کی کئی تقریبات میں شرکت کی ہے،لیکن یہ تقریب منفرد اور یکتا تھی۔ڈاکٹر عبدالعلیم نے خوب دل کھول کر پیسہ لٹایا تھا۔کھانوں کی اتنی ورائٹی اور کثرت میں نے کبھی کہیں نہیں دیکھی۔آٹھ قسم کی تو میٹھی چیزیں تھیں،ہر قسم کے گوشت تھے اور پوری محفل رنگ و نور میں نہائی تھی۔۔۔لیکن میرے لئے جو منظر بے حد تعجب اور تکلیف کا سبب بنا وہ دلہن اور ڈاکٹر صاحب کے خاندان کے جلوس کی آمد کا انداز ہے۔انتہائی تیز روشنیوں اور کیمروں کے جلوس میں دُلہن ہال میں داخل ہوئی۔مکمل میک اپ اور مکمل بے پردگی۔اُس کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کی بیگم گلے میں دوپٹہ ڈالے اور بال کھولے چل رہی تھی اور اُس کے پہلو میں اُن کی چھوٹی جوان بیٹی دُلہن ہی کا مثنیٰ بنی خراماں خراماں چل رہی تھی اُس کے بھی بال کھلے تھے اور لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ سینکڑوں لوگوں کو دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ان کے عقب میں ڈاکٹر صاحب نوعمر بیٹے کے ساتھ شرمندہ شرمندہ سے سر جھکائے چہل قدمی کے انداز میں محوِ خرام تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ڈاکٹر صاحب سے الوداعی ملاقات کی اُن کا شکریہ ادا کیا اور شکایت کی ''ڈاکٹر صاحب،آپ اتنا عرصہ سعودی عرب میں رہے ہیں،دینی مزاج رکھتے ہیں، پھر آپ نے یہ حرکت کیوں کی،بے پردگی اور نمائش کا یہ مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے تھا''۔

ڈاکٹر صاحب بہت شرمندہ ہوئے،کہنے لگے''ہم یہاں نئے نئے آئے ہیں۔محلے والوں نے جیسا مشورہ دیا۔ہم نے عمل کرلیا۔لیکن اب تو یہ رسمیں اس معاشرے کا ضروری حصہ بن گئی

ہیں، اِن سے بچنا ممکن نہیں رہا ہے"۔

"لیکن ایک پڑھے لکھے دیندار شخص کو ان سے احتراز کرنا چاہیے تھا۔ یہ باتیں اللہ کو پسند نہیں"۔ میں اپنا فرض ادا کر کے واپس آ گیا اور بہت دیر تک ڈاکٹر صاحب سے ملنے کو جی نہ چاہا۔

تقریباً ایک سال گزر گیا، میں ایک مرتبہ اتفاق سے اُس بستی میں گیا جہاں ڈاکٹر صاحب کا گھر اور ہسپتال تھا تو موصوف سے بھی ملاقات ہوگئی۔ میں نے خیر خیریت دریافت کی اور خصوصاً اُس بیٹی کے بارے میں پوچھا جس کی گزشتہ برس شادی ہوئی تھی، تو ڈاکٹر صاحب بہت پریشان ہوئے، اُس بے چاری کا کیا پوچھتے ہو اُسے تو چھ ماہ بعد ہی طلاق ہو گئی تھی۔

مجھے جیسے کرنٹ لگا، بے اختیار منہ سے نکلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مگر یہ حادثہ کیوں ہوا؟ دولہا تو آپ کا قریبی عزیز تھا۔ آپ کی بیگم کا سگا بھتیجا تھا۔

یہی تو المیہ ہے فاروق صاحب، یہی تو پُراسرار بات ہے کہ اُس ظالم نے کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے دیں۔ کہہ دیا کہ مجھے لڑکی پسند نہیں حالانکہ وہ اُس کیلئے ہرگز اجنبی نہیں تھی۔ اور شادی سے پہلے اُس نے اُسے بارہا دیکھا تھا۔۔ لیکن تقدیر اٹل ہے، اس پر کسی کا بس نہیں۔

صدمے سے اور احساسِ عبرت سے میری زبان گنگ ہوگئی، میں خاموش رہا، لیکن کاش میں ڈاکٹر صاحب کو بتا سکتا کہ نہیں حضرت اللہ کی تقدیر اندھی بہری نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے اچھے برے اعمال کے تناظر میں حرکت کرتی ہے۔ ایک شخص سب کچھ جانتے بوجھتے، معلومات رکھتے ہوئے اگر اللہ کی بغاوت پر تل جائے اور تہیہ کر لے کہ وہ خالق اکبر کے قوانین کا مذاق اُڑائے گا، تو پھر اللہ کی رحمت ایسے شخص سے روٹھ جایا کرتی ہے، پھر پریشانیاں اور مشکلات ایسے راستوں سے اُس پر حملہ آور ہوتی ہیں کہ جن کا عام حالات میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net